

گے اور اس کو اتنے چار سے نہیں چھپائیں گے جس سے میں چھپانا چاہتی تھی۔“

ٹانگ پٹانگ بنائے بیٹھے جہاں نے مٹھی بند کر کے انگوٹھا بند کیا۔۔۔ مگر وہ ایک برہم نظر اس پڈال کے رخ موڑ گئی۔ اس ”زینب۔۔۔“ نیلوفر تھوڑی دیر بعد آہستہ سے بولی۔ ”مجھے آپ کی کہانی کسی بھی درنگ و دمن سے مختلف نہیں ہے۔ مگر آپ نے فکر نہیں۔ میں آپ کو زبان دیتی ہوں کہ میں اس کتاب کا کانٹریکٹ آپ کے ساتھ ہی کروں گی۔ یہ کتاب آج سے آپ کی ہوئی۔ قانونی کارروائی کے بعد میں مسودہ بھی آپ کے حوالے کروں گی۔“

کمرے میں چند لمبے کے لئے سناٹا چھا گیا۔ وہ مسکرا دیا اور ”told you“ والی نظروں سے اسے دیکھا مگر تالیہ نے اسے نظر انداز کیا۔

”حقیک نیلوفر۔ بحیثیت عورت میں آپ کی شہر گزار ہوں۔ میں آپ کو چند ضروری سوالات کی ای میل شام تک بھیج رہی ہوں۔ ان کے جوابات کے بعد ہم کانٹریکٹ کی طرف بڑھیں گے۔ ساڈ۔ نیلوفر حاتم۔۔۔ چک ساڈ (شکر یہ۔۔۔ بہت شکر یہ۔۔۔)۔“

فون بند کیا تو وہ فوراً سے بولا۔ ”ایسے سوچتے چھپیں ”ساڈ“ کی جگہ ”تفکر لارڈ“ کہنا چاہیے تھا۔“  
 ”نہیں دو۔“ چھپیں بھی مجھ سے دو ذرا سے زیادہ ہی ترک زبان آتی ہوگی۔ ”وہ سخت بے زار ہوئی۔  
 ”اگر میں یہ نہ کرتا تو وہ ہڈ بانی ہو کے تارے ساتھ کانٹریکٹ کرنے کا فیصلہ بھی نہ کرتی۔ نیلوفر بھی عورتوں کے لیے دمن کارڈ ہمیشہ کام کرتا ہے۔ ریٹیکس ڈاؤن تالیہ حاتم۔“ وہ اٹھ کھڑا ہوا تو تالیہ نے ہاتھ جھلا جا گویا کہہ رہی ہو کہ جاؤ مجھے تم سے بات نہیں کرنی۔ وہ ہنوز غصہ نظر آتی تھی۔

☆☆=====☆☆

رات حزبہ کبری ہوئی تو مرہا کروڑ کی رفتار دھیمی ہوتی گئی۔ اس وقت اس کی ہر کھڑکی روشن تھی۔ وسط پانی کے ایک قنوں سے نگلی عمارت کی طرح کھڑی وہ کشتی بہت خوبصورت لگ رہی تھی۔  
 عرش الہت اس وقت سناں تھا۔ گھاس شرف ویران اور کربیاں خالی تھیں۔ ایک کونے میں الہت رینگ کے ساتھ وہ کھڑی تھی۔ شال کندھوں کے گرد لپیٹے وہ نیچے پہنے پانی کو دیکھ رہی تھی۔ نیلوفر کو ای میل کیلئے کی بجائے وہ یہاں آ کھڑی ہوئی تھی۔  
 آج اچانک سے موسم خنڈا گئے لگا تھا وہ اس سے قبل ایسے کوئی آثار نہ تھے۔

”تم نے اپنی فریڈ سے بات کر کے اس کی پیاری کاپو چھپا؟“ بنا آہٹ وہ اس کے پیچھے کب آ کھڑا ہوا تھا اسے پتہ بھی نہ چلا۔ ذرا سی چوکی۔ پھر جیسے خیالات سے نگلی لورہا تھے پٹل ڈال لئے۔

”میں نے ابھی تک تمہیں ان باتوں کے لیے معاف نہیں کیا... مگر... شاید...“ اس کی آواز میں اداسیاں گھٹکتی گئیں۔

”میرے بارے میں کے اہل میں بھی سب یہی سوچتے ہوں گے۔ احمد نظام سے صوفیہ دھن تک۔“

وہ اس کے سامنے آیا اور ریچک سے ٹیک لگا کے بازو سینے پہ پوٹ لے لے۔ اندھیرے میں اس کے چہرے کے تاثرات ٹھیک سے دکھائی نہیں دیتے تھے۔

”لوگوں کی آراء کی غلامی سے نکل آؤ گھر کی اور نہ تم کبھی آؤ اور نہیں ہو سکو گی۔“

”لوگوں کی آراء اور زبانیں حقیقت ہوتی ہیں۔“ وہ سختی سے بولی۔ ”جس کتاب کے پیچھے ہم غوار ہو رہے ہیں وہ بھی ایک عورت کی رائے ہے مگر میری حکومت کی ساری مشینری اس کو رد کرنے میں لگی ہے۔“

”کیونکہ وہ ڈرلرچک ہیں۔ سبیل۔“

”ہاں بزدلی یا بھاری کی نہیں ہے۔ وہ عورت ہے۔“ وہ بولی آواز میں دانت نہیں کے بولی۔ ”وہ عورت اس وقت اپنی زبان اور قلم ہلا کے ایک مرے ہوئے آدمی اور اس کے سارے خاندان کو بدنام کر سکتی ہے۔ بدنامی سے سب کو ڈر لگتا ہے۔ مجھے بھی۔“ وہ در سیاہ پانی کو دیکھنے لگی۔ ”مجھے قید میں جانے یا تھوڑے تکیف نہیں دی تھی۔ یہ بدنامی کا خوف تھا جو مجھے اس فرما سے نکلنے نہیں دے رہا۔“

آسمان پہ بادلوں کے جمروں کے سفید پاند ڈراڈرا سا جھانکنے لگا تو عرشے پہ چاندی کی چادر چڑھنے لگی۔ ان کے سیاہ بیوہوں سے جو دھجکی اس چاندی کی تہہ میں دھیرے دھیرے دھکتے لگے۔

”تم بدنامی سے ڈرتی ہو؟ اس بات سے کہ وہ تمہیں بے عزت کر دیں گے؟“

”وہ کر سکتے ہیں۔ اگر میں یہ کتاب بند کر سکی اور خالی ہاتھ واپس گئی تو وہ میرے ملک میں مجھے من دکھانے کے قابل نہیں سمجھیں گے۔ وہ میرے سیاہ رازوں اور جرائم سے واقف ہیں۔ وہ میری زندگی جتلا کر دیں گے۔“ پانی کو دیکھ کے پلٹتی ہوئی لڑکی بے بس نظر آتی تھی۔ اس نے مسکرا کر سر جھکا۔

”میں نے زندگی میں ایک بات سیکھی ہے۔ تاہم۔ کہ اللہ تعالیٰ نے رزق موت اور عزت و ذلت کے فیصلے انسانوں کے ہاتھوں میں نہیں دے رکھے۔ یہ اللہ تعالیٰ کے اپنے ہاتھ میں ہوتے ہیں۔ کوئی انسان کسی کو بے عزت نہیں کر سکتا۔ نیلو فر بھی عبدالرحمن کو سوائس نہیں کر سکتی چاہے وہ دس کتابیں لے آئے مگر تمہاری پردھان مغربی کا خوف اس کے ایمان سے بڑا ہے۔ خود تمہارا بھی۔“

”نیلو فر بہت کچھ کر سکتی ہے۔ وہ انکیشن کا راز انکس اپنی مرضی کے مطابق بدل سکتی ہے۔“

چاندی میں نہایا آدمی ڈراما سکرایا۔

”نہیں بدل سکتے۔ کوئی انسان کسی انسان کو دسوا نہیں کر سکتا۔ یہ فیصلے اللہ تعالیٰ کرتا ہے۔ تمہیں بھی تمہارے حکمران دسوا نہیں کر سکتے۔ وہ تمہیں قید میں ڈال سکتے ہیں، مار چہ کر سکتے ہیں، مگر تمہارے ملک کے لوگوں کے دل میں تمہاری عزت ختم نہیں کر سکتے۔ لوگوں کے دل اللہ تعالیٰ کے ہاتھ میں ہوتے ہیں۔ تم اس خوف سے باہر کیوں نہیں نکل آتیں؟“

”تم پھر مجھے نکلنے کی کوشش کر رہے ہو۔“

”میں صرف یہ کہنے کی کوشش کر رہا ہوں کہ جو راستا انسان ترک کر دیتا ہے اللہ تعالیٰ اس کو اس کے باعث دسوا نہیں کیا کرتا۔“ اور یہ کہتے ہوئے پہلی دفعہ اس نے لب کاٹا۔

تالیہ نے شاکی نظریں اٹھا کے اسے دیکھا۔ ”میری بہرحال منتری چاہے تو۔۔۔“

”تمہاری بہرحال منتری بھی اپنا دسوا چاہا نہیں کرے گی۔ تم کتاب روک دو، وہ تب بھی تمہیں کسی اور طریقے سے گرفتار کر دے گی۔ گورنمنٹس کبھی سو سے پورے نہیں کرتیں۔“

”تمہارا تجربہ بول رہا ہے کیا؟“ وہ طنز سے بولی تو چاندنی میں دھمکا آدمی سکرایا۔

”میں کسی گورنمنٹ کے لئے کام نہیں کرتا۔ لیکن اگر کرتا ہوتا تو کبھی سیاستدانوں پہ اعتبار نہ کرتا۔ میں نے الماس کو وہ باتیں صرف تمہیں Provoke کرنے کے لئے نہیں کہی تھیں۔ میں تمہیں یہ بتانا چاہتا تھا کہ تمہارا چند لڑو لوت تمہارے ہارے میں بھی سوچنا ہوگا۔ وہ تمہیں ناکام ہوتے دیکھنا چاہتا ہے۔ اس لئے ان کی روز روز کی فون کالز کے دباؤ میں آنا چھوڑ دو بلکہ اس جاب کو اپنے لئے کرو۔ اپنے طریقے سے۔“ اس کی مسکراہٹ پر امرار ہو گئی۔

”اپنے طریقے سے ہی کر دی ہوں۔“ اسے اس کی بات عجیب لگی تھی۔ چاندی میں ڈوبے عرشے پہ وہ دونوں بیچلوں کی صورت کھڑے سرگوشی میں بات کر رہے تھے۔

”فلا۔ تم مہدالطین کی عزت بچانے کے لئے یہ کر دی ہو۔ تم اسے خود کو بچانے کے لئے کرو۔“

”تم مجھے مشورے کیوں دے رہے ہو؟“

دو ڈراما سکرایا اور شانے اچکا دیے۔ ”کہانا۔ مجھے عکس کرنا پسند ہے۔ لوگ میچز میں مسکے۔“ پھر اس نے کھائی پہ ہنسی کھڑی دیکھی اور رنگ چھوڑ کے سیدھا ہول۔ ”چلو۔ ہارٹ کو ای میل کرتے ہیں۔ ویسے بھی تمہارا زیادہ دیر یہاں کھڑا ہونا مناسب نہیں ہے۔“

”آئی ایم شیور تم ارد گرد کی تسلی کر کے یہاں آئے ہو گے۔“ وہ اکتا کے کبھی آگے بڑھ گئی۔ وہ ابھی تک ابھی ہوئی تھی۔

اپنے لیے وہ اس سے ڈرا وہ کیا کرے؟

”ہمارا مقصد نیلوفر سے اس کے ہبلشر کا نام پوچھنا ہے راسٹ؟“

وہ کمرے میں لیپ ٹاپ کے سامنے بیٹھی تھی اور کی بورڈ پر انگلیاں جمائے کہہ رہی تھی۔ وہ سامنے الماری سے ٹیک لگائے کھڑا سوچ رہا تھا۔

”ہاں مگر یہ سوال تمہیں اس طرح پوچھنا ہے کہ وہ جواب ضرور دے۔ تم نے وہ بخارہ سنا ہے موت دکھا کے بخارہ پر راضی کرنا؟“

”اسا۔“ (کبھی نہیں۔) اس نے ٹلی میں سر ہلایا۔

”یعنی کسی کو ناممکن کام اور مشکل کام کا آپشن دینا۔ وہ مشکل پر راضی ہو جائے گا۔“

”یعنی کہ میں نیلوفر سے کچھ اتنا ناممکن پوچھوں کہ اسے نہیٹا ہبلشر کا نام دینا آساں لگے؟“

اس کی انگلیاں کی بورڈ پر چلے گئی تھیں۔ اسی میل کے الفاظ اسکرین پر ابھر ابھر رہے تھے۔

(ڈائیر نیلوفر حاتم۔)

میرے ہاں مولوت نے آپ کے لئے ایک سوالنامہ تیار کیا ہے۔ کارٹریکٹ سائن کرنے سے پہلے مجھے اس کے جوابات درکار ہیں تاکہ ہم آگے بڑھ سکیں۔)

وہ بڑبڑاتے ہوئے کھیر رہی تھی۔

”پہلا سوال آساں ہو۔ اتنا آساں کہ وہ جھجکے جواب دے ڈالے۔“

وہ کمرے میں دائیں بائیں مٹلتے ہوئے سوچ سوچ کے کہہ رہا تھا۔ جیٹ اتار دی تھی اور آستین موزر کے تھے۔ تھوڑی دیر پہلے والا دوستانہ انداز اب غائب تھا اور خالص کام سے کام رکھنے والا لہجہ اپنا لیا تھا۔ عجیب ہل ہل بدلنے انداز تھے اس آدمی کے۔

”پہلا سوال وہ پوچھوں گی جو اکثر ہبلشر ایچ ایم سے سب سے پہلے پوچھتے تھے۔“ وہ ٹاپ کرتے ہوئے اسکرین پر نظریں جمائے ہوئے تھی۔

(پہلا سوال۔ مجھے کتاب کا مکمل ورڈ کاؤنٹ چاہیے۔ ایم ایس ورڈ پر ڈبل اسپیکنگ کے ساتھ قربا کتے الفاظ پر مسودہ مشتمل ہے۔ یہ جاننا کتاب کی قیمت کے تھیں اور اشاعت کے لئے ضروری ہے۔)

”گڈ۔ دوسرا سوال بھی نہیٹا آساں ہی رکھو۔“ وہ ہدایات دے رہا تھا۔

تالیہ کی انگلیاں چیز تیز چل رہی تھیں۔ اس کے ماتھے کے ملے جانب ہو رہے تھے۔ ایک رائٹر کے ذہن سے پبلشر کا نام نکلوانے کے لیے اس کے ذہن تک رسائی حاصل کرنا خاصا دلچسپ لگسدا ہوتا تھا۔

(دوسرا سوال۔ مجھے تمام ابواب کی تعداد اور ان کی آڈٹ لائن چاہیے۔ صرف ایک سطر کی آڈٹ لائن جس میں کتاب کا خلاصہ موجود ہو۔)

”اب تیسرا سوال تم پبلشر کے بارے میں پوچھو مگر اس طرح کہ وہ جواب دینے پر پابند ہو جائے۔“  
(میرا تیسرا سوال) تالیہ روشن اسکرین کو دیکھتے کھٹ کھٹ ٹاپ کر رہی تھی۔ (آپ کی کتاب کا انگریزی مسودہ میری مصنوعات کے مطابق ایک کینیڈین پبلشر چھاپ رہا ہے۔ مجھے لیگل پیچورس کے لئے اس پبلشر کا نام چاہیے کیونکہ ہماری لٹریچر کی انجمنی اور چند یورپین انجینئرز کا امریکی اور کینیڈین پبلشر کے ساتھ ایک ”گلاس انکیشن“ متقدمہ چل رہا ہے۔ ایسا مقدمہ جس میں ایک گروہ مل کے دوسرے کے خلاف کیس لڑتا ہے)۔ اگر آپ کا پبلشر بد قسمتی سے ہمارے مقابل فریقین میں سے ہوا تو ہم اس کتاب کو چھاپنے سے معذرت کر لیں گے کیونکہ یہ کالنگکٹ آف انٹرنٹ کے زمرے میں آئے گا۔ مقدمے کی حمایت کی وجہ سے میں فریقین کی لسٹ ظاہر نہ کر سکتے کی پابند ہوں۔ اس لئے آپ مجھے نام بتادیں تاکہ میں کراس چیک کر لوں۔)

”Good enough?“ اس نے لکھ کے سوا یہ نظروں سے جہان کو دیکھا۔ وہ اعامانہ نہیں لگتا تھا۔  
”اگر میں ہوتا تو سمجھ جاتا کہ یہ scam ہے۔ مگر وہ نیکو فر ہے۔ امید ہے وہ یقین کر جائے گی۔ اگلا سوال ناممکن سارا کھو تاکہ وہ مدت میں کسی ایک کا جواب تو دے ڈالے۔“

تالیہ کی انگلیاں حرکت میں آئیں۔

(اور میرا آخری سوال۔ مجھے آپ کی کتاب کو تشریح پبلشرز کے سامنے پیش کرنے کے لئے پریزنٹیشن دینی ہے۔ میں اسی طے پریزنٹیشن بنا کے پیش کرنا چاہتی ہوں۔ وہ بڑے پبلشرز انٹرمنڈ ہیں۔ اس موقع پر آپ سے بغیر کانٹریکٹ کے پورا مسودہ میں ہائل نہیں مانگوں گی مگر آپ کو مجھے کتاب کے اولین چار ابواب دینے ہوں گے تاکہ پبلشرز کو پریزنٹیشن دیکھ کے کتاب کی زبان، ٹیمپٹ اور calibre کا اندازہ ہو جائے۔ کہ وہ اس کے صوفے کے پیچھے آکھڑا ہوا اور جھک کے اسکرین کو دیکھا۔

”گلد۔ اب لگسدا ہے کہ تم کسی رائٹر کی دوست رہی ہو۔ کتاب کے چار ابواب تو وہ کبھی نہیں دے گی۔“  
تالیہ نے اسی میل بھیج دی اور وہ چلا گیا تو کمرے میں پھر سے خاموشی چھا گئی۔ اس نے لیپ ٹاپ بند کیا اور چیزیں سمیٹ

کے اپنے بستر تک آئی۔ ساتھ ہی موہاگل اٹھا کے دیکھا تو دولت کا منہج آیا ہوا تھا۔ چند گھنٹے گزر چکے تھے اور وہ ایک دفعہ پھر سناپ ڈھنٹ پوچھ رہا تھا۔

تالیہ نے کال کا بھن دیا یا۔ دو گھنٹیاں گئیں اور اس کے بیلو کہتے ہی وہ ایک دم سے بولنا شروع ہوئی۔

”میری بات دھیان سے سنیں گے؟ دولت۔ آپ نے منہج میں لکھا کہ میں جتنی جلدی ہو سکے اس کام کو مکمل کروں کیونکہ میری زندگی اس پر انحصار کرتی ہے۔“ وہ چاچا کے کھدھی تھی۔

”نکلا۔ میری نہیں۔ آپ کی وزیراعظم کی زندگی اس پر انحصار کرتی ہے۔ میرا آپ کیا باز لیں گے اگر میں یہاں سے فرار ہو جاؤں؟ یا خالی ہاتھ واپس آؤں؟ عوام کو بتائیں گے کہ میں ایک کمرشل ہوں؟ تو کیا میں چپ رہوں گی؟ میں میڈیا میں جا کے سادی دنیا کو نہیں بتاؤں گی کہ آپ نے مجھے تیلوفر کی کتاب چرانے بھیجا تھا؟ کیا لوگ آپ سے سوال نہیں کریں گے کہ اگر تالیہ مراؤر کمرشل تھی تو آپ نے اسے ملک سے باہر کیوں جانے دیا؟ وہ بھی کسی کی کتاب چرانے؟ ایک غیر قانونی کام کرنے کے لئے؟“

دوسری جانب دولت کو بالکل سناپ سوگھو گیا تھا۔

”دعا کریں کہ میں چپ رہوں اور صاحب ٹورنٹ آپ لوگ دوبری مصیبت میں پڑ سکتے ہیں۔ دعا کریں کہ میں اس کی کتاب کو روک لوں تاکہ آپ کی عزت بچی رہے۔ میں نے کہا ہے کہ میں اپنی جاب پوری کروں گی تو کروں گی۔ مجھے آرام سے میرا کام کرنے دیں۔ ہائے۔“ وہ برہمی سے کہہ رہی تھی اور وہ بالکل خاموشی سے اسے منہ دیا تھا۔ اس کے کچھ بولنے سے پہلے تالیہ نے فون دکھ دیا اور چند گہرے سانس لئے۔

حاکم کا قید خانہ تھا اور سامنے شاہی سپاہی تھا۔ وہ اس پر اسی طرح طلق سے آواز نکال کے چلائی تھی جب اس نے کہا تھا کہ وہ ان کی ہونے والی حکم ہے۔ جسم سے ٹھنکی یہ حرارت۔۔۔ یہ تو انائی۔۔۔ اس میں عجیب سی طاقت تھی۔ عرصے بعد اسے اپنا وہ روپ یاد آیا تھا۔

اسے یہ آخری جاب ’اپنے‘ لئے کرنی تھی۔ صرف اپنے لئے۔

☆☆=====☆☆

انگی صبح نیل کے دریا پر اڑی تو اپنے ساتھ ٹھنڈی ہر لے آئی۔ عرشے پہ دھوپ میں ناشتہ کرنے کے خواہشمند مسافر دھوپ کو ترس ترس گئے۔ کیونکہ آج بادلوں کے باعث سارے پہ چھایا تھی اور ٹھنڈی ہوا بہت تیزی سے چل رہی تھی۔

تالیہ عرشے پہ لگی ایک چھتری تلے کرسی پہ بیٹھی تھی اور موہاگل دیکھتے ہوئے ناشتے کو بس بکھڑی تھی۔ ابھی تک الماس کی

ای میل نہیں آئی تھی اور اس کی بے چینی عروج پہ تھی۔ وقتی طور پہ نیلوفر کو ہڈ بانی کرنا الگ بات تھی، لیکن کیا وہ اپنے جیش کا نام بتانے پر دباؤ نہیں ہو جائے گی؟ اسے ایک دہائی کو اسٹوری بوئی معلوم ہونے لگی تھی۔

دفتر کسی احساس کے تحت اس نے اپنا سفید بیٹ ترچھا کیا اور چرواٹھا کے دیکھا تو دور پول کے کنارے وہ کھڑا نظر آیا۔ کل والی شیوٹا نسب تھی، ہنی کیپ سر پہ تھی اور ہاتھ جھڑکی، جیبوں میں تھے۔ وہ اسے ہی دیکھ رہا تھا۔ اس کے مطلوبہ ہوتے ہی مڑ گیا۔ پس اس کو پیچھے آنے کا اشارہ تھا۔

تایہ نے حیرت سے اس کو دیکھا اور پھر ناشیٹا اور اچھوڑ کے اٹھ کھڑی ہوئی۔  
 ”تم ابھی تک یہاں ہو؟“ وہ کمرے میں آئی تو وہ صوفے پہ بیٹھا تھا۔ تایہ نے بیٹ اتار کے اسٹینڈ پہ ہاتھتے ہوئے ”عجب سے اسے دیکھا۔“ تمہیں تو ہر روز اس وقت کسی غلط کام کے لئے نہیں جانا ہوتا؟“

”آئی جہ ہے۔“ اس نے بے نیازی سے شانے اچکائے تو تایہ نے مشکوک نظروں سے اسے دیکھا۔  
 ”مز؟“

”جیسے کو ہماری سرکاری چھٹی ہوتی ہے۔ ورکشاپس بند ہوتی ہیں۔“

”اور اگر کسی کی کار جیسے کو خراب ہو جائے تو؟“

”ای میل آئی نیلوفر کی؟“ اس نے آتے کے موضوع بدلاتو تایہ نے دائیں بائیں گردن ہلائی۔

”ابھی دیکھا میں نے الماس کو۔ سوئی شکل کے ساتھ ناشیٹا کرنے اور آئی تھی۔ کچھ دیر میں ہی جواب دے گی۔“  
 ”یعنی کہ پھر سے انتظار۔“ وہ پورسا نظر آنے لگا۔ پھر ریوٹ اٹھایا اور ٹی وی آن کیا۔ وہ چپ چاپ اس کے سامنے والے صوفے پہ بیٹھ گئی اور اس کی حرکات کا جائزہ لینے لگی۔

”کل جانا ہو کا تم نے شہر؟“ پھر اس کو دیکھتے ہوئے پوچھا تو وہ جو تھنل صرف کر رہا تھا بے اختیار بولا۔ ”نہیں۔“

”کیونکہ کل بھی چھٹی ہے۔ ہفتے کی۔“

”ہوں۔“ وہ اسکرین کو دیکھ رہا تھا۔ ہنی کیپ بنو زسر پہ چھٹی تھی اور دن کی روشنی میں کھینچی کا نشان واضح نظر آتا تھا۔

”ورکشاپس تو ہفتے کو کھلی ہونی چاہیے ہیں۔ مگر تم ورکشاپ نہیں جانتے ہو؟“ وہ مسکرا کے فاتحانہ انداز میں بولی تو جہاں نے آتے کے اسے دیکھا۔

”میری جاسوسی چھوڑ دو لڑکی۔“

”یونہی۔ مسر میں کچھ براٹھ زانواری کی چھٹی بھی کرتے ہیں اور کچھ ہفتے کی۔ البتہ زیادہ تر جیسے کی چھٹی کرتے ہیں۔“ وہ

معلوماً دینے والے انداز میں کہہ رہی تھی۔ ”مگر تم نے ایک مخصوص وقت میں صرف ڈھائی تین گھنٹے کے لئے جانا ہوتا ہے۔ ڈیڑھ گھنٹہ تو آنے جانے میں صرف ہوا۔ پیچھے بچا ایک گھنٹہ۔ اور بچنے میں دو چھٹیاں۔“ وہ مسکراہٹ دہائے کہہ رہی تھی۔ ”تم کسی یونیورسٹی جاتے ہو۔ کلاس لینے۔“

جہان نے ساہجہ تاثرات کے ساتھ نظریں گھما کر اسے دیکھا۔ ”اگر اتنا دماغ تم اپنا ترش لہجہ بنانے پر صرف کر رہی تو زیادہ اچھا ہوتا۔ یہ دیکھو۔“ اس نے ٹی وی پر یوٹیوب کھول رکھا تھا۔ تالیہ نے ناک سکڑ کے سر جھٹکا اور بادل غواستہ توجہ فی وی کی جانب مبذول کی۔ وہ کوئی ترش قلم لکھ رہا تھا۔

”کارڈشم نم۔“ تالیہ نے چٹیاں سکڑ کے اسکرین کو دیکھتے ہوئے ہڑحاً۔ ”میرا بھائی۔“

”جب تک نیلوفر کی ای میل نہیں آتی مہم یہ قلم دیکھو۔ اور ان کے الفاظ کی داغ بیل چور کرو۔“

”ویسے کون سا بھیکٹ ہر ہے ہوم یونیورسٹی میں؟“ وہ کمال ہتھیلی پر جمائے اسکرین کو دیکھتے ہوئے سرسری سا ہنسنے لگی۔ ”میں اس عمر میں سب کچھ کر سکتا ہوں سوائے ہڑحائی کے۔“

تالیہ نے گردن موڑ کے اسے سر سے ہر تک دیکھا۔ ”بھوٹے بولنے والے کی نکافی نہر جتنے تم میں اس وقت نظر آ رہی ہے۔“

”دیر ہی تھی۔“ وہ بکڑے تاثرات کے ساتھ اٹھ گیا اور وہ بادل غواستہ اپنی توجہ اس قلم کی طرف مبذول کرنے لگی جس میں دو بھائی ترکی کے کسی دور افتادہ گاؤں میں ہونے والی شادی اٹینڈ کرنے روڈ ٹرپ پر چارہ تھے۔ اس کا سوا بکسل ہانگل خاموش تھا۔ الماس کا جواب بنوڑ نہیں آیا تھا۔

☆☆=====☆☆

جہان چلا گیا اور مسودی قسم ہو گئی تو بھی وہ کمرے سے باہر نہیں نکلی۔ بس سونے پر پھر اوپر کر کے ٹیٹھی یوٹیوب پر مختلف ویڈیوز سرف کرنے لگی۔ دنیا جہان کی ویڈیوز کے ہونے کے باوجود اس کی انگلیاں اسی ایک موضوع کو انب کر رہی تھیں۔

بی این کا صدر۔

کلک کے ساتھ ہی صفحہ کھلا تو ہر ویڈیو پر وہ دونوں ساتھ ساتھ دکھائی دیے۔

مسکراتا ہوا دان قاتح اور اس کی مسکراتی ہوئی بیوی مصر۔

وی پاور کھل۔

کہیں وہ ایک ساتھ انڈر ویوے رہے تھے تو کہیں وہ کسی ایجنٹ میں ریڈ کارپنٹ پر ساتھ ساتھ کھڑے نظر آ رہے تھے۔



یکسروں کے فلیش ان کے چہرے پہ چمک رہے تھے۔ کہیں وہ دونوں اپنے گھر کے صوفے پہ بیٹھے بچوں کے ساتھ کسی دنگر سے بات کر رہے تھے۔

غرض وہ ہر جگہ ساتھ ہی تھے۔

وہ نہیں جانتا تھا کہ یہ عورت اس کی بہن کی قاتل ہے۔ جیسے وہ نہیں جانتا تھا کہ یہ اس کے دشمن کی مدد کے لئے مصری چلی گئی ہے۔

وہ کچھ نہیں جانتا تھا اور کتنا مطمئن تھا۔

اس کا دل ایک دم پھر سے اندھروں سے بھرنے لگا۔ اس نے ٹی وی آف کیا اور سو بائیں پہ اپنی ذاتی میل کنویلی۔ 'فاتح' فاتح! ایم۔۔۔ آج کسی کی بھی میل نہیں آئی تھی۔ وہ لوگ بھی اسے میل بھیج بھیج کے تھک گئے تھے۔ دیوار سے کوئی کتنی دیر بات کر سکتا ہے؟

وہ میل بھیجتے تھے تو دل دکتا تھا۔

نہیں بھیج رہے تھے تو دل بالکل خالی ہو گیا تھا۔

کمرے میں اب اندھیرا چھا گیا تھا۔ اب اندھیرا کچھ بھی دکھائی نہ دیتا تھا۔ وہ اب کیا کرے گی؟ اگر وہ اپس چلی بھی گئی۔۔۔ سرخو بھی ٹھہری تو کیا کرے گی؟ اس نے گھسٹوں پہ سر رکھ لیا اور خود کو اندھیرے کے حوالے کر دیا۔۔۔

وہ اپنے ماضی سے کیسے ساری زندگی کٹ کے رہے گی؟ مستقبل اتنا ہی تاریک تھا جتنا اس وقت آنکھوں کے سامنے چھاتا اندھیرا تھا۔۔۔ اور اس تاریکی میں کمرے کے پیچھے ایک دم سے ٹھنڈی دیوار محسوس ہونے لگی۔ وہ اسی سخت بستر پہ بیٹھی تھی۔۔۔ اوپنی دیواروں والا کمرہ۔۔۔ سامنے سلائیسیں۔۔۔ اور کھپکھپاتا جسم۔۔۔ خوف نہیں تھا وہ۔۔۔ قید کا خوف ہو گزرتھا۔۔۔ وہ سو اونے کا خوف تھا۔۔۔ یہ آگئی کس کوشنری کے باہر ساری دنیا کو اس کے سیاہ ماضی کا علم ہو چکا ہے۔۔۔ اسی لئے اس کوشنری سے اتنے دن وہ نہیں بھاگی تھی۔۔۔ اور ہار ہار وہ اسی میں واپس آ جاتی تھی۔۔۔

اس نے مزید غنچ سے آنکھیں بند کیں۔ شاید کہ یہ اندھیرا صحت ہائے مگر اگلے ہی لمحے نگاہوں کے سامنے ایک منظر ابھرنے لگا۔۔۔

دو سٹیڈیجر۔۔۔ دو سٹیڈیجر ریل کے کیلے سٹیڈیجرز میں مفید تھے۔۔۔ دونوں پیر فرسٹ پہ پیچھے کواٹھ رہے تھے۔۔۔ پیر نسوانی تھے اور دائیں پیر پہ ایڑھی کے قریب ایک کمان صورت کٹ لگا تھا جو بھوری ٹیکر نما کمرے میں بدل چکا تھا۔۔۔

ان کیلے جنوں سے جیس جیس کی بنا قابل برداشت آواز آرہی تھی۔۔۔

مخصوص رنگ ٹون سے وہ جڑ بڑا کے جا گی۔

کمرہ اندھیر پڑا تھا۔

تالیہ نے اوپر ادھر چہرہ گھمایا پھر تیزی سے اٹھی اور پردے بنائے۔ باہر دھوپ میں چمکتا دیا دکھائی دیا اور روشنی اندر آنے لگی۔ اس کو پسینہ آرہا تھا۔ دل بری طرح دھڑک رہا تھا۔

وہ ہر کس کے تھے؟ اور وہ زخم کا نشان؟

اس نے سر جھکا اور خود کو داخل کرتے ہوئے فون اٹھایا۔ مخصوص ٹون الماس کی ای میل کی تھی۔ تالیہ نے پہلے جہان کو کال کی اور اسے یہاں بلا دیا۔ یہ الماس کی آخری میل ثابت ہوئی تھی وہ اسے تنہا نہیں پڑھنا چاہتی تھی۔ کچھ دیر بعد وہ دونوں آسنے سانسے دو صوفوں پر بیٹھتے تھے اور وہ سنجیدگی سے کہہ رہا تھا۔

”پڑھو۔“

تالیہ نے موبائل اسکرین روشنی کی اور دھڑکتے دل سے پڑھنا شروع کیا۔ پسینے سے ابھی تک اس کے بال سانسے سے گھیلے تھے اور چہرہ زرد تھا۔ وہ اس کے تاثرات بغور دیکھ رہا تھا مگر بڑا کچھ نہیں۔

”ڈیئر زیپ۔“ تالیہ نے پڑھنا شروع کیا۔ ”آپ سے بات کر کے مجھے اور میم نیو فرکو بہت اچھا لگا۔ امید ہے آپ سے ملاقات کر کے ہمیں مزید اچھا لگے گا۔ فی الحال آپ کے جوابات کی طرف آتے ہیں۔“

نمبر 1۔ یہ کتاب قریباً 112500 الفاظ پر مشتمل ہے اور اس کے قریباً چار سو پچاس صفحات بنتے ہیں۔“

”آسان سوال تھا۔ گے چلو۔“

”چپ کر دو۔ مجھے پڑھنے دو۔“ اس نے دھڑکتے دل سے اسے نو کا اور گے پڑھنے لگی۔

”نمبر 2۔ کتاب کے قس ایواب ہیں اور میں ان کی ون لائن سری ای میل میں انچ کر رہی ہوں۔“ نظریں اٹھا کے جہان کو دیکھا۔ اس نے سراپنہ والے انداز میں امرو اٹھائی۔

”مگر فیر۔ یہ بھی آسان سوال تھا۔ تیسرے پڑھو۔“

”جہاں تک آپ کے تیسرے سوال کا تعلق ہے۔ ہمارے ہینشر کا نام... تو بات یہ ہے زیپ کہ...“ اس نے شکل حلق سے پڑھنا شروع کیا۔ ”ہینشر نے جب ہم سے رابطہ کیا تو ان کی دائم لائن اور مسلسل حالات ہمارے لئے قابل قبول نہیں تھی۔ یہ کتاب عوام کی غلامی کے لئے لکھی جا رہی ہے اس لئے بہتر ہے کہ اسے بغیر کسی مداخلت کے مارکیٹ میں لایا جائے۔ اور اسی لئے...“

”ڈیم!۔“ وہ سیدھا ہو کے بیٹھا۔ ”وہ سیاح ہینش کر رہی ہے۔“

تالیہ ہنست مٹی گئی۔

”اور اسی لئے ہم اس کتاب کو سیاح ہینش کر رہے ہیں امیزون پہ۔ اور ہم اسے کینیڈا اہا کے ریپیز کریں گے۔“

تالیہ نے بے بسی سے چہرہ اٹھا کے اسے دیکھا۔ وہ بھی اتنی کبیدہ خاطر نظر آتا تھا۔

ایک دم سے تمام امیدیں خاک میں مل گئی تھیں۔ تالیہ نے فون دکھایا۔ اس کا سر پکڑ رہا تھا۔

”وہ۔ ماری باتیں۔ وہ گورے ہینشرز کے قصے۔۔۔ وہ سب جوت تھا۔“ اس کا چہرہ شے اور مد سے سے سرخ پڑنے لگا۔

”نیلو فر کا سرے سے کوئی ہینشری نہیں تھا۔“

”ظاہر ہے کوئی عقلمند ہینشرا اتنی الزامات سے بھری کتاب نہیں چھاپ سکتا۔ مجھے یہ خیال پہلے کیوں نہیں آیا؟“ وہ خود سے

ناراض لگنے لگا تھا۔

”یعنی کہ ہم وہاں اسکو اردن پہ کمرے ہیں۔“ تالیہ نے سر ہاتھوں میں گرالیا۔ اور وہ اتنا مضطرب تھا کہ اٹھ کے ٹھٹھکے لگا۔

”آگر وہ خود ہی اپنی کتاب کی ہینش ہے تو اس فزٹ اور اتقام سے بھری عورت کو کوئی نہیں روک سکتا۔ کوئی دوسرا ہینش ہوتا

تو قانونی کارروائی یا دباؤ وال کے کچھ کیا جا سکتا تھا۔ آف۔ آف۔“ وہ اب کمرے میں خالی جگہ پہ آگے جھجھے پکڑ کاٹ رہا تھا۔

ان کا کون نیم عجیب مقام پہ آ کے رک گیا تھا۔ ہینش کوئی شہابی نہیں تو اب اس کتاب کو روکنا ناممکن تھا۔ وہ صوفیہ کو کیا

جواب دے گی؟

”میں اس کے ذہن سے کتاب چھاپنے کا خیال نہیں نکال سکتی“ جہان۔ میں واپس جا رہی ہوں۔“ وہ ایک دم اٹھی اور

الماری کی طرف گئی۔ پھر اپنا بیگ نکال کے بستر پہ رکھا اور الماری سے جھنگر نکالنے لگی۔ جہان نے انہوں سے اسے پیننگ

کرتے دیکھا۔

”تمہاری دوزیر اعظم کو ہا ہے کہ اسے کوئی مار دے۔ وی اینڈ۔ خلاص۔“

”جو بھی ہے۔۔۔ میں حریف اس کھیل کا حصہ نہیں بن سکتی۔“

”اوکے! میں تمہیں نہیں روکوں گا۔“ وہ سمجھ سکتا تھا۔ ”مگر سنو۔ وہ ای میل ایڈریس ڈیلے کر دیتا کہ اس کا رونا کا تب ہو

جائے اور نیلو فر اسے فراموش نہ کر سکے۔“

تالیہ جو سرخ چہرے کے ساتھ کپڑے تہہ کر کے جگ میں ڈال رہی تھی ایک دم ہر کی اور چہرہ اٹھا کے اسے دیکھا۔

کسی شے کے نامکمل رہنے کا احساس ہوا تھا۔

جیسے چوہے پہ کھانا پکنا چھوڑ آئی۔ جیسے ڈور نعل بچ رہی ہو۔۔۔ جیسے فون پہ کوئی unread منیج کا نوٹیفیکیشن نظر آ رہا ہو تو کوئی بھی دوسرا کام کرتے ہوئے ذہن میں اُدھر سے کام کا خیال رہتا ہے۔

اس نے ہاتھ میں پکڑا رد مال د چین پھینکا اور تیزی سے میز کی طرف آئی۔

”اس کی ای میل کے آخر میں بھی کچھ لکھا ہوا تھا۔“ موبائل اٹھایا اور اسکرین روشن کی۔

الماس کی میل کا آخری جیو گراف ابھی پڑھنے سے رہتا تھا۔

”اور رہا آپ کا آخری سوال کہ میں آپ کو کتاب کے پہلے چار ابواب بھیجوں تو ڈیجیٹل رینپ۔۔۔ پہلے ابواب سے زیادہ

ولجسپ درمیان اور آخر کے ابواب ہیں اس لئے میں آپ کو شروع مکمل اور آخر سے پانچ ابواب بھیج رہی ہوں تاکہ آپ

کوتاب کے ٹیسٹ کا درست طور پہ اندازہ ہو سکے۔ فائل منیج ہے۔

میں کانٹریکٹ کا انتظار کروں گی۔

الماس۔“

واہ؟ ”وہ بے یقینی سے کہتا تیزی سے اس کے قریب آیا۔ وہ بھی اتنی ہی ہے۔ یقین کھڑی اسکرین کو دیکھ رہی تھی جہاں ایم

ایس ورڈ فائل کھلی تھی۔

الماس نے کتاب کے پانچ ابواب بھیج دیے تھے۔

”وہ ہمیں اپنی کتاب کے اتنے ہزک باب نہیں بھیج سکتی۔ اسلا جہان ہے۔ اسلا۔“

وہ بے یقینی سے انگلی سے صفحوں پر کرتی کہہ رہی تھی۔ وہ بھی دنگ رہ گیا تھا۔

”اس نے تمہاری باتوں کو دل پہ لے لیا۔ باؤسویٹ۔“

”کچھ زیادہ ہی لے لیا۔“ تالیف مراوی آگئیں تعجب سے پچھلی تھیں۔ وہ کچھ نہیں پڑھ رہی تھی بس صفحات نیچے۔۔۔ مزے نیچے

کیے جا رہی تھی۔ وہ کل پچھن صفحات تھے۔

جہان نے ایک نظر ہیڈ پہ کھلے اس کے بیک پہ ڈالی۔

”تم اب بھی جانا چاہتی ہو؟“

”شش۔ مجھے یہ صفحات پڑھنے ہو۔“

کچھ دیر بعد وہ ہیڈ کے سامنے کارپٹ پہ بیٹھی موبائل سامنے کیے پڑھتی نظر آ رہی تھی۔ اور وہ صوفے پہ بیٹھا اپنے فون میں

وی فائل پڑھ رہا تھا۔

بیلہ پتالیہ کا سامان اسی طرح کھلا ہوا تھا۔ لٹے کا کاٹم تھا مگر کھانا، سامان، کسی شے کی ان کو ہر داہ نہ تھی۔

بیلہ کتاب قلمی جو صوفیہ ملن ساری دنیا سے چھپانا چاہتی تھی۔ اس کتاب کے پانچ ایوانے ملنا غنیمت تھا۔

”اوہ وا۔۔۔ باپ نمبر سولہ میں تمہارا ذکر مکی ہے۔“

خاموشی کو جہان کی محکوم آواز نے توڑا تو تالیہ نے ”خش“ کہہ کے اسے چپ کر دیا۔ وہ ابھی وہاں نہیں پہنچی تھی۔ اور جب پہنچی تو اس کا خون ابل ابل گیا۔

”واٹ؟ اس نے میرے بارے میں یہ لکھا ہے کہ سیاسی پارٹیوں میں ذہین عورتیں بہت کم ہوتی ہیں۔ اکثر تالیہ مراد جیسی Air headed blondes ہوتی ہیں جن کو ان کی اچھی عقل کی بنا پر اعلیٰ عہدوں سے نوازا جاتا ہے۔“ اس نے غصے میں چہرہ اٹھایا۔

”یہ مجھ سے اتنے پیار سے بات کر رہی تھی اور میرے بارے میں اس نے کتاب میں یہ لکھا ہے۔“

”Air headed blonde“ وہ غصے میں دیا پھر اس کے تاثرات دیکھ کے چہرہ سیدھا کیا۔

”ہاں۔ واقعی۔ اس نے غلط کیا۔“ مصنوعی غصے سے مخاطب کیا۔ ”مگر تمہارے بارے میں اس نے کچھ نہیں لکھا۔ جو عبد الرحمن صاحب کے بارے میں لکھا ہے۔ الامان۔“ اس نے واقعاً غصے سے سر جھٹکا تھا۔

”کوئی کسی کے خلاف اتنی نفرت اور عداوت کیسے کر سکتا ہے چاہے وہ اس کا بیکس ہی کیوں نہ ہو؟“

”بہت ہی بڑا اور فضول کتاب ہے یہ۔“ تالیہ نے آخری صفحہ پر ہرے ذال دیا۔ ”پہلے دو ایوانے کو چھوڑ کے جو اس نے اپنے بچپن کے بارے میں لکھے ہیں، وہ میان اور آخر کے ایوانے کی ہر سطر میں اس نے عبد الرحمن کی ہزاروں اخلاق سے گری حرکت کا تذکرہ کر دیا ہے۔ اب اتنا بھی کوئی شیطان نہیں ہوتا۔ حد ہے۔ کوئی شک نہیں کہ صوفیہ اس کتاب کو دیکھنا چاہتی ہیں۔“

صوفیہ نے پہنچے جہان نے سیدھے ہوتے ہوئے پھر نیچے کیے اور چونک کے اسے دیکھا۔

”صوفیہ ملن کیوں اس کتاب کو دیکھنا چاہتی تھی؟“

”کیونکہ اس میں اس کے باپ کی اخلاقی برائیوں کی جھوٹی سچی کہانیاں درج ہیں۔ اور وہ اس کے دھڑکا دل خراب کر سکتی ہیں۔ مگر صوفیہ کو خود بھی اندازہ نہیں ہوگا کہ کتاب میں اس حد تک گند لکھا گیا ہوگا۔“ اس نے ہنسی مچائی۔

”صوفیہ کو خود بھی اندازہ نہیں ہے کہ کتاب میں کیا لکھا ہوگا۔“ وہ چونک کے اس کی بات دہرا رہا تھا۔ ”صوفیہ کا خیال تھا کہ

کتاب اس کے باپ کی مافی کرپشن کے بارے میں ہوگی۔“

”ہاں اور دوسری عبدالرحمن پہ کھنچوٹ سے غداری کے الزام بھی تھے۔ یقیناً دوسرے ابواب میں غداری سے متعلق بھی نیلو فر نے کہا نیاں بیان کی ہوں گی۔“

”اور اگر اس نے نہ کی ہوں؟“ جہان کے لبوں پہ مسکراہٹ آئی اور اس نے فون کی اسکرین اس کے سامنے کی۔ وہ کارپٹ سے اٹھی اور اس کے قریب آئی۔

”یہ تمام ابواب کی آؤٹ لائن ہے۔ ہر باب کو ایک سطر میں سمیٹا گیا ہے۔ اور اس نے ان میں صرف عبدالرحمن کی اخلاقی گراؤٹ کا ذکر کیا ہے۔ عورتیں ڈرگنز خطیہ شادیاں۔ جوئے کی عادت۔ اس میں ہائی کرپشن یا غداری کا کوئی باب نہیں ہے۔“

”یعنی؟“

”ہو سکتا ہے صوفیہ نے نیلو فر کو Overestimate کیا ہو۔ جیسے ہم نے کیا تھا۔ مگر وہ ایک انتہائی کم خیم عورت ہے۔ اس کی نظر ہمیشہ اپنے لیول تک رہی ہوگی۔ عورتیں ڈرگنز انہیں ز۔ وہ چٹ پٹی مصالکے دار خیریں لکوانے کی شوقین رہی ہے اس لئے اس نے کتاب میں صرف اخلاقی ایکٹوٹیز کا تذکرہ کیا ہو۔ حکومتی لیول کی کرپشن کو اس نے غیر اہم جانا ہو یا ان کی اسے سمجھ نہ ہو۔“

”ایہ سارے دن میں پہلی دفعہ طمانیت سے مسکرائی۔“ مگر صوفیہ رحمن کو یہ بات نہیں معلوم۔“

”اور نو نیلو فر کو بھی نہیں معلوم کہ صوفیہ اصل میں کس چیز سے ڈرتی ہے۔ صوفیہ صرف انہیں ذکی داستانوں سے نہیں ڈرتی۔ وہ کرپشن کے ڈبوتوں سے ڈرتی ہے۔“

”اور ہمہ وہ جانتے ہیں جو یہ دونوں نہیں جانتیں۔“

”ہم نہیں۔“ وہ مسکرایا۔ ”میں غیر اہم ہوں۔ یہ تمہارا مسئلہ ہے۔“ صرف تم جانتی ہو جو یہ دونوں عورتیں نہیں جانتیں اور یاد رکھنا یہ دونوں تمہاری دشمن ہیں۔“

”اسی لئے دولت اور صوفیہ نہیں چاہتے تھے کہ میں اس کتاب کے مسودے کو چرائوں۔ وہ نہیں چاہتے کہ کوئی بھی اس کتاب کو پڑھے۔ میں بھی نہیں۔ اس لیے انہوں نے مجھے کتاب کا خیال اس کے ذہن سے نکالنے کو کہا۔ کتاب چرانے کو نہیں۔“

”کیونکہ وہ جانتے ہیں کہ تم ان کی دشمن ہو۔ کتاب صوفیہ کی کمزوری ہے اور وہ اسے تمہارے ہاتھ میں نہیں دیکھ سکتے۔“

”ایہ اٹھی اور دھیرے دھیرے چلتی کھڑکی کے قریب آکھڑی ہوئی اور باہر بہتے پانی کو دیکھنے لگی۔ سہ پہر نے ٹھنڈی سی چھایا طاری کر رکھی تھی۔ مگر کوئی بھولہ سری کرن پانی پہ پڑتی تو اسے چمکا دیتی۔“

”یہ کتاب اب نہیں رکھ سکتی مگر.... مگر میں اسے اپنے لئے استعمال کر سکتی ہوں۔“  
وہ مسکرا کے اس کی طرف مڑی اور ایک عزم سے کہنے لگی۔

”مجھے یہ کتاب پوری کی پوری چوری کرنی ہے۔ یہ کتاب میرا لیوریج ہوگی۔ میں اگر یہ حاصل کر لوں تو صوفیہ مجھ سے ڈرے گی اور میں اس کتاب کے بدلے میں اس سے کچھ بھی مانگ سکتی ہوں۔ سب سے بڑھ کے... اپنی آزادی!“  
”And you know how much I love blackmails!“ وہ بھی مخصوص انداز میں مسکرایا تھا۔

☆☆=====☆☆

رات نیل کے پانی پہ پھیلے ہوئے تھی اور بھری جہاز اپنی روشن کھڑکیوں کے باعث دور سے کوئی موسم بقیوں کا کینڈل برانظر آتا تھا جو سیاہ پانی پہ کسی نے جلا چھوڑ رکھا ہو۔

اندر ہال نما ریستوران میں بھانت بھانت کی آوازیں، تھتھہ اور شور پھیلا تھا۔ ہار بی کیو کی مہک نے ساری فضا کو معطر کر رکھا تھا۔ ایسے میں ایک مرکزی گول میز پہ نیلوفر اپنی تین سہیلیوں کے ساتھ ہنسی پاتیں کرتی دنز میں مشغول تھی۔  
ان کی میز کی چائیں دکن الماس اور بچی پونی والا سر جھکائے، ٹینگ لگائے، کھا کھا کھاتے ہوئے بھی اپنے ٹیب پہ لگی تھی۔  
کام کرتے کرتے الماس نے اونچی سر اٹھایا تو دیکھا، ماسے سیاہ اسکرٹ، بلاؤز اور سفید بیٹ والی تالیہ مراد پلائی آرہی ہے۔ وہ الماس کو دیکھ کر ڈراما مسکرائی اور پھر نیلوفر کی طرف متوجہ ہو کے کہنے لگی۔

”مجھے آپ سے کچھ بات کرنی تھی۔“ اس نے جھک کے نیلوفر کے کان میں کہا۔ نیلوفر جو کائنات سے کچھ کھاتی باتوں میں مصروف تھی فوراً اسے کانٹا اور چمکین رکھ کے معذرت کرنی لگی۔

الماس کی معافی نظریں ان دونوں کا چچھا کرنے لگیں۔ تالیہ اس کی ماں کو ایک کونے میں لے گئی اور اب وہ دونوں وہاں کھڑی بات کرتی دکھائی دے رہی تھیں۔

الماس نے پہلو بدلا۔ اوڈر دے شور ہنگامے سے بے نیاز اس کی ساری حیات دور کھڑی نیلوفر اور تالیہ مراد پہ جی تھیں۔  
دھنٹا تالیہ وہاں سے ہائی دکھائی دی۔ اب وہ نیلوفر وہیں کھڑی رہی بے چینی سے اس نے کوٹ کی جیب سے سگریٹ کا پیکٹ نکالا۔ اس کی ماں شدید پریشانی میں ایسا ہی کہا کرتی تھی۔ الماس تیزی سے اٹھی اور اکیلی کھڑی نیلوفر کی طرف لگی۔

”کیا ہوا؟“ فکر مندی سے قریب آ کے سوال کیا۔

”یہ سارے مراد ایک جیسے ہوتے ہیں۔“ نیلوفر سگریٹ لہوں میں دبائے لائٹر سا بھری تھی۔

”مگر ہوا کیا ہے؟“

”وان فاتح... نے انکار کر دیا ہے۔ وہ میری کسی بھی قسم کی مدد نہیں کرنا چاہتے۔“ وہ سانس سے تنہا گوند رکھتی تھی سے بتا رہی تھی۔ وہ دن پہلے نیلوفر نے تالیہ سے کہا تھا کہ وہ فاتح سے کہے کہ وہ میڈیا پر نیلوفر کی حمایت کا اعلان کرے اور اب تالیہ اس کے جوابی بیغام پہنچا رہی تھی۔

تالیہ نے ان ماں بیٹی کو دور سے منگھو کرتے دیکھا اور پھر مسکرا کے آگے بڑھتی گئی۔

پہ مسکراہٹ عرصے بعد اس کے لبوں پہ وہ پارہ عود آئی تھی جو ایک زمانے میں کون دو من تالیہ مراد کا خاصہ ہوا کرتی تھی۔ وہ بڑھاپا چڑھنے لگی۔

ادھر مرثیہ پہ پل کے کنارے وہ ریچک کے ساتھ کھڑا تھا۔ پی کیپ پہنے عجیبوں میں ہاتھ ڈالنے اندھیرے میں کھڑا جہان تاریکی کا حصہ لگتا تھا۔ بیٹ وائل لڑکی کو مسکراتے ہوئے آتے دیکھا تو اسے تعجب سے اٹھائے۔

”کیا کر کے آ رہی ہو؟“

”نیلوفر کے لئے stakes مزید بڑھا کے آ رہی ہوں۔“ وہ بیٹ ترچھا کر کے اس کو مسکرا کے دیکھ کے بتانے لگی۔ وہ البتہ اسی طرح منگھوک انداز میں اسے دیکھے گیا۔

”تم مختلف لگ رہی ہو۔“

”کیونکہ میں نے فیصلہ کر لیا ہے کہ میں دو عشاقوں کے ساتھ نہیں جی سکتی۔“ وہ ریچک سے کمر لٹائے کھڑی ہوئی اور ملٹانیت سے بتانے لگی۔ ”وہ سب مجھے کون دو من ہی سمجھتے ہیں۔ جوئی تالیہ۔ دھوکے باز تالیہ۔ اب میں ان کو وی بن کے دکھاؤں گی۔ جو تالیہ کو کرنا آتا ہے وہ اس کی جان بچائے گا۔“

”مگر اب تم اپنی صلاحیتوں کو ایک اچھے کام کے لئے استعمال کر رہی ہو۔“ اس نے چھیڑ کرئی چاہی۔

”اچھا کام؟“ تالیہ نے سوچتے ہوئے اسے دیکھا۔ وہ روشنی میں کھڑی تھی البتہ لائٹ ہارڈ کی روشنی جہان پہ نہیں پڑ رہی تھی۔ وہ تاریکی میں تھا۔ وہ دانستہ طور پہ تاریکی میں ہی کھڑا ہوتا تھا۔

”ایک عورت سے اس کی کتاب دھوکے سے حاصل کرنے میں اچھا کیا ہے؟“

”وہ اس کتاب کو کسی کی عزت خراب کرنے کے لئے استعمال کر رہی ہے۔ وہ اپنا ضمیر شیطان کو بیچ رہی ہے۔ تم اپنی کون گیم کے ذریعے اس آدمی کی عزت اور اپنی آزادی بچا سکتی ہو تو یہ اچھا کام ہوتا۔“

وہ سو گوارا مسکرائی۔ ”جب سے میں نے یہ سوچا ہے کہ میں اس کے ذریعے خود کو بچا سکتی ہوں ویسے نہیں جیسے صوفیہ نے وعدہ کیا تھا بلکہ بے طریقے سے۔ تو میرا دل مطمئن ہو گیا ہے۔“



اس کی بات پڑو مسکرا دیا۔

”آخری فوٹی انسان کا اپنے دل سے لیا ہوتا ہے، تالیہ۔ آپ کا دل آپ کا اچھی طرح جانتا ہے۔“

تالیہ نے پرسوجی نظروں سے اسے دیکھا۔ ”تم میری مدد کیوں کر رہے ہو؟“

”کیونکہ میرے دوست نے مجھے تمہاری مدد کے لیے کہا تھا۔ دوستوں کے احسان اتارنے پڑتے ہیں۔“

”ہاں مگر کافی وقت ہے تمہارے پاس میرے لئے۔“ اس کی آنکھوں میں شگ سا بھرا۔

”آج کل اتفاق سے میرے پاس وقت تھا اس لئے۔۔۔۔۔ اس نے شانے اچکا دیے۔

”تم جاسوس ہوئے نا۔“ اس نے اپنا شاہد پھر سے دہرایا۔ ”کیونکہ صرف جاسوسوں کے پاس Hibernation period کے دوران کافی وقت ہوتا ہے۔“

وہ کچھ کہنے لگا، لیکن پھر شانے اچکا دیے۔ ”You got me۔ میں جاسوس ہی ہوں۔ بالآخر تمہیں معلوم ہو ہی گیا۔“

تالیہ ایک دم سیدھی ہوئی اور چند لمحوں کے بعد اسے دیکھتی رہی۔ پھر گہری سانس لی۔

”یعنی تم جاسوس نہیں ہو۔ ورنہ اتنی آسانی سے اعتراف نہ کر لیتے۔“ وہ جیسے بد مزہ ہوئی تھی۔ ”تمہارے کوئی کون مین ہو۔ میری طرح کے کام۔“

”تم اور تمہارے اندازے۔“ اس نے سر جھٹکا۔ وہ دونوں عرشے کی ریڈنگ کے ساتھ کھڑے تھے اور پیچھے خاموش دریا بہہ رہا تھا۔

”تمہارا اصل نام کیا ہے؟ حقیقتاً جہاں سکندر نہیں ہو پھر یہ تم اتنی آسانی سے یہ نام استعمال نہ کرتے۔“

”پائل۔“

”وتم سے شادی کی انگوٹھی تم ہو گئی ہے۔ تم یہی سے ڈرتے ہو اس لیے تم نے غلطی انگوٹھی لے کر پہننی شروع کر دی ہے مگر غلطی انگوٹھی تم پہنک ہے اور پسینے کے باعث اس کا اندر سے رنگ اترتا ہے۔ اس لیے تمہاری انگوٹھی پہننا سادہ اور مصروف نشان رہتا ہے۔ سنو۔۔۔ انگوٹھی کو گیلیا نہ کیا کرو۔“ مخلصانہ مشورہ دیا۔ جہاں نے جولیا جیپ سے ایک کی جینن نکال کے دکھایا جس کے چھلے میں اس نے انگوٹھی ڈال رکھی تھی۔

کی جینن کا رنگ بھی اتر اتر رہا تھا۔

”میری کوئی بیوی، کوئی فیملی نہیں ہے تالیہ حاتم۔ یہ میرا کی جینن ہے۔“ اس نے طنز سے جواب دیا۔ ”اور تمہیں مجھ پہ نہیں خودی فوکس کرنے کی ضرورت ہے۔ اپنا دوست سے بات کی؟“

”مکروں کی دوا پس جا کے۔“ نالیہ نے اپنے ہر انداز سے کو فطرت ثابت ہوتے دیکھ کے چہرہ ہمسر لیا اور پانی کو دیکھنے لگی۔  
آج چاند کے آگے ہا دل آگئے تھے اس لئے دریا اندھیرا اندھیرا سا تھا۔

”کچھ مہینے انسان پہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے آتی ہیں۔ حادثات، غیر متوقع حالات، بیماری، موت۔ مگر اللہ فرماتا ہے کہ کچھ مہینے ہم پہ ہماری وجہ سے ہی آتی ہیں۔“

وہ بولنے لگا تو نالیہ چہرہ موڑ کے اسے دیکھنے لگی۔ تاریکی میں کڑے پی کیپ والے آدمی کا چہرہ غم اندھیرا سا تھا مگر اس پہ ایک نرم سا تاثر تھا جواسے وہاں کسی دکان کی دیکھا تھا۔

”اور کچھ مہینے دوسرے انسانوں پہ ہماری وجہ سے آتی ہیں۔“  
”تم کیا کہنا چاہتے ہو؟“

”صرف یہی کہ ہماری زندگیوں میں قدرت کی طرف سے پہلے ہی بہت امتحان ہیں۔ جن کا حل نکالنا ہمارے ہاتھوں سے باہر ہے اور ہم ان کے حل کے لئے دعا اور انتہا کرتے ہیں۔ بیماریاں، صدمے، موت، میری قسمت۔ ایسے میں کیا ضروری ہے کہ ہم انسان اپنے رویوں کی وجہ سے بھی دوسروں کے لئے مشکلات پیدا کریں؟“

”کیا ہماری پریشانیوں دوسروں کے رویوں کی وجہ سے ہی نہیں پیش آتیں؟“  
”ساری نہیں۔ اکثر۔ اگر ہم کوشش کریں تو یہ کم ہو سکتے ہیں۔“

”اچھا کیسے؟“ اس کا انداز غلط تھا۔

”مجھے بتاؤ آج کے انسان کا سب سے بڑا مسئلہ کیا ہے؟“

”یہ کہنا اپنے خواب پر راکرنا، یا ناکامی کا خوف۔۔۔ مجھے نہیں معلوم۔ میں نے جو بھی کہا ہے، تم نے اس کے الٹ ہی بتانا ہے۔“

”فلینش۔ ہمارا سب سے بڑا مسئلہ فلینش ہے۔ وہ فلینش جو دوسرے انسان اپنی تلخ کلامی یا ناراضی کی وجہ سے ہمیں دے دیتے ہیں۔ ہر روز ہمیں ارد گرد کسی کی طرف سے فلینش ملتی ہے۔ ہم دوسروں کی کسی بات کو لے کر اپ سیٹ رہتے ہیں۔“ وہ نرمی سے سمجھا رہا تھا۔

(یہ پھر مجھے فکس کرنے کی کوشش کر رہا ہے۔) مگر اسے اس دفعہ برا نہیں لگا تھا۔

”اور اس فلینش کا الٹ ہے دل کا سکون۔ جب کسی ناراض دوست یا فیملی ممبر سے صلح ہوتی ہے تو کتنا سکون ملتا ہے دل کو؟“

”ہے نا؟“

اس نے نہ چاہتے ہوئے اثبات میں سر ہلایا۔

”تم بھی ٹینشن میں ہو۔ تمہارے دوست بھی ٹینشن میں ہوں گے۔ اس کو ختم کرو۔ اور دل کا سکون ڈھونڈو۔ ہم سب کو یہی کرنا چاہیے۔ جو ہم سے ناراض ہیں یا جن سے ہم ناراض ہیں ان کو سنا کئے انہیں معاف کر کے ہمیں اس ٹینشن کو ختم کرو چاہیے اور زندگی کے اصل مقصد کی طرف فوکس کرنا چاہیے۔“

”اور اصل مقصد کیا ہے؟“

اس نے گہری سانس لی۔ ”اصل مقصد تو میرا تمہارا اس کروڑ پہ موجود ہر انسان کا ایک ہی ہے۔ اپنے اصل کی طرف لوٹنا۔ اللہ تعالیٰ نے ہمیں جس جی اور تہک فطرت پہ تخلیق کیا تھا اس کی طرف واپس جانا اور اپنے کام سے دوسروں کو نفع پہنچانا۔“

چند لمحوں کے لیے عرشے پہ خاموشی چھا گئی۔ جہاں کو نگاہ اس کی بات پہ غور کر رہی ہے۔

”تم نے کہا کہ فیملی ہمیر سے صلح کر کے دل کو سکون دے۔“ وہ اس کی آنکھوں میں تھمک کے پوچھ رہی تھی۔

”بالکل سنا ہے۔“ وہ حوصلہ افزائی کرتے ہوئے ہلایا۔

”مگر تمہاری تو کوئی فیملی ہی نہیں ہے۔ پھر تمہیں کیسے پتہ؟“

سادہ گفتگو کا فلوں نوٹ کیا۔ وہ ہد مزہ ہو کے چپکے ہوا۔

”الماس کو فون کرو۔ اس سے بات کر کے ہی معاملہ کچھ آگے بڑھے گا ورنہ تم سے بات کرنا تو بے کار ہے۔“ اور غصگی سے کہتا آگے بڑھ گیا۔

”میں تمہاری فیملی ڈھونڈ کر ہوں گی یا درکنہ۔“ وہ چپکے سے جہاں کے بولی تھی۔ اس نے بس مزے بنا ہاتھ جھلایا اور آگے چلا گیا۔

”الماس... جنم... کیسی ہو؟“ کچھ دیر بعد وہ دونوں تالیہ کے کمرے میں کول کڑکی کے آگے صوفوں پہ بیٹھے تھے۔ وہ خاموشی سے سن رہا تھا اور تالیہ... بڑے مزے سے ہر ادھر کیے ننھی کانوں پہ ہینڈ فون چڑھائے مایک میں کہہ رہی تھی۔

”میں ٹھیک ہوں ازینپ۔ آپ خائیں۔ آپ کو وہ پچر ذکیسے لگے جو میں نے پیچھے تھے؟“

”کیسے لگے؟ یہ بھی کوئی سوال ہے؟ جنم؟ میں تو خود کو کسی ایس کی طرح محسوس کر رہی تھی جو نیو فرحانم کے ساتھ ایک دھڑر لینڈ میں داخل ہو جاتی ہے... یہاں اتنا نون کا دھڑر لینڈ جو اپنے تمام تر کشافی حسن کے باوجود چھوٹے قد والے لوگوں کی دنیا ہے۔“ سیالوٹ کو انگلی پہنختی وہ بڑے جذب سے کہہ رہی تھی۔

سامنے بیٹھے جہان نے سنا کئی انداز میں ابرو اٹھائی۔ ”واو۔۔۔ تم تو کافی authentic قسم کی liar ہو۔“ گریب لب بولا تھا۔  
تالیہ نظر انداز کر کے فون پر بولے لگی۔

”جو کچھ نیلو فرحانم نے برداشت کیا ہے، مجھ جیسی عورت تو نہ کر سکتی، الماس۔ تمہاری ماں بہت بہادر ہے اور اسی لئے میں چاہتی ہوں کہ ترکی کی لڑکیاں اس کتاب کو پڑھ کے انہماک ہو سکیں۔“  
”مجھے خوشی ہے آپ کو ام کی کتاب اچھی لگی۔ کیا آپ نے پبلشرز سے بات کی؟“ الماس خوش ہو گئی تھی۔ جیسی میم کی جگہ نام بول گئی۔

”ہاں میں پریزنٹیشن تیار کر رہی ہوں اور جیسے ہی وہ تیار ہوگی میں پبلشرز کو دکھاؤں گی۔ یہ بھی ایک فارمیٹائی ہے اور نہ وہ تو باتوں ہاتھ کتاب لینے کو تیار ہوں گے۔“  
”گریٹ۔ تو اب ہم نے کانٹریکٹ کب سائن کرنا ہے۔“ الماس بے چین لگتی تھی۔ جہان گریب لب مسکرایا۔ ”گلد۔ وہ Desperate ہو رہی ہے۔ تمہارے لیڈر سے اس کو امید ختم جو ہو گئی ہے۔“

”ہمیں جلد سے جلد کانٹریکٹ سائن کر لینا چاہیے الماس کیونکہ پھر ہم نے کتاب کو پڑھنے کے لئے بھی دینا ہے اور مارکیٹ میں لانا ہے۔ میں آپ کو کانٹریکٹ ای میل کر دیتی ہوں“ آپ سائن کر کے مجھے فڈ ایکس کر دیں اور مسودہ مجھے ای میل کر دیں تاکہ۔“

”نہیں زیب۔ یہ اتنی حساس کتاب ہے نیلو فرحانم یوں کانٹریکٹ سائن نہیں کر سکتیں۔ فیس نو فیس ملے بغیر کانٹریکٹ کرنا ہمارے لئے ناممکن ہے۔“

تالیہ اور جہان نے بے اختیار ایک دوسرے کو دیکھا۔ پھر وہ جلدی سے ہید صابو اور شامپو نکالا۔  
”انکار مت کرنا اور خدا سے شک ہو جائے گا۔“

تالیہ نے جلدی سے سر ہلایا۔ ”آف کوس الماس۔ یہ تو بہت اچھا آئیڈیا ہے۔ ایسی باتیں ملاقات میں ہی ملے کرنی چاہیے ہیں۔ ہمارے لیگل فرامیڈوں کو آپس میں ملنا چاہیے۔ میں اپنے لیگل فرامیڈ سے کوکھر بھیج دیتی ہوں وہ آپ کے وکیل سے مل کے کاغذات سائن کر دالے گا۔ میں جانتی ہوں نیلو فرحانم بڑی خاتون ہیں اس لئے ان کے اگر وہ خود نہیں مل سکتیں تو کوئی بات نہیں۔ آپ کا کوئی فرامیڈ۔۔۔“

دھوپ سوچ کے بول رہی تھی مگر الماس نے بات کاٹ دی۔

”چونکہ معاملہ بہت حساس ہے اس لئے نیلو فرحانم خود ہی ملیں گی آپ کے فرامیڈ سے۔ اور خود ہی ہمارے معاملات ملے

کریں گی۔ آپ مجھے بتائیں، آپ کا نامزد کب تک مصر آ سکتا ہے۔“ وہ بہت بڑے تلے انداز میں پوچھ رہی تھی۔

جہان نے بے اختیار ماتھے کو چھوا اور کندھے جھٹکے۔ ”اپ؟“

”مجھے ایک منٹ دیں۔ میں اپنے پاس سے پوچھ کے بتاتی ہوں۔“ تالیہ نے فون بند کیا اور اس کو عجیبگی سے دیکھا۔

”کوئی ترک آدمی ہے جس کو ہم اپنا غما سمدھنا کے اس کے پاس بھیج سکیں؟“

”نہیں اور نہ ہی میں یہ رسک لے سکتا ہوں۔“ اس نے دو ٹوک انداز میں انکار کر دیا۔ ”مجھے بھی دہہ دیکھ چکی ہے اس لئے میں بھی یہ دول پٹے نہیں کر سکتا۔“

تالیہ نے جواب نہیں دیا۔ وہ ماتھے پہ ہل ڈالے سوچنے لگی۔

”سووی تالیہ لیکن وہ تم سے ملے بغیر معاہدے کے لیے راضی نہیں ہوگی۔ ذمہ کسی کو اپنی جگہ بھیج سکتی ہو۔ تمہارا پان مل ہو رہا ہے۔“

تالیہ نے تھکھی نظروں سے اسے دیکھا۔ ”تالیہ کے پاس ہمیشہ پان ہوتا ہے۔“

”کیا؟“

”وہ کون سی سووی تھی جس دن ہم نے دیکھی تھی؟“

”کون سی؟“ اس نے یاد کیا۔ ”کارڈنم نم؟ (میرا بھائی)۔“ وہ حیران ہوا۔

”ہاں وہی۔“ وہ مسکرائی اور کال ملا دی۔ الماس نے تیسری تھنٹی پ فون اٹھایا۔

”آپ کی بات سوئی اپنے پاس سے؟“

”جی الماس جتنم... میری بات ہو گئی ہے۔ مولوت نے اس آئیز بے سے اتفاق کرتے ہیں۔ ہمیں آپس میں مل بیٹھ کے اس امر کو طے کرنا چاہیے۔“ وہ ٹانگ میں کھدائی تھی اور سامنے بیٹھا جہان اچھبے سے اسے دیکھ رہا تھا۔

”گنڈو تو آپ کس کو بھیجیں گی اور کب تک؟“ الماس بے چین تھی۔

”میں اپنے ایک ایجنٹ کو دو چار روز میں بھیج سکتی ہوں یہ اتنا مسئلہ نہیں ہے ایجنٹ معاہدے لے کر آ جائے گا اور آپ سے سائن کروالے گا۔“

جہان نے قدرے برہمی سے اس کو دیکھا اور دبی دبی آواز میں گھر کا۔ ”تم کسی کو نہیں بھیج رہی ہیں۔ یہاں کوئی کر ایسے کا ترک

نہیں۔ ملے گا اور تم پہ فراڈ کا کیس بن جائے گا۔“

مگر تالیہ مراد اس کو سننے بغیر مسکرا کے کھدائی تھی۔

”ایجنٹ کو آنے میں تین چار دن ہی لگیں گے لیکن۔۔۔“ اس نے دھندلایا۔ مسکراہٹ گہری ہوئی۔ ”مجھے یاد آیا کہ آپ تین چار دن بعد کینیڈا جا رہی ہیں۔ ہے نا۔“

”جی تقریباً پچیس دن بعد۔ ہم نے فلائٹ میں روڈ بدل کی ہے۔“

”تو آپ ایسا کیوں نہیں کرتیں کہ کینیڈا سے پہلے ترکی آجائیں؟ میں آپ کو انٹر پورٹ سے ہاپ کر لوں گی۔ آپ کی رہائش وغیرہ میرے ذمے ہوگی۔ آپ کو میں اپنی انجنیسی کا دورہ بھی کرادوں گی“ آپ میرے پاس اور ہینشترز سے بھی مل لیجئے گا اور اپنی کتاب کے متعلق ہمارا سدا پلان دیکھ کے ہی آپ سائن کیجیے گا۔ اس سارے کام میں دو سے تین دن لگیں گے۔ آئی ہو پ آپ یہ تین دن ہمارے لئے کال لیں گی۔“

جہاں بے یقینی سے اسے دیکھ رہا تھا اور وہ مسکرا رہی تھی۔ دوسری طرف الماس لمبے بھر کو خاموش رہی پھر بولی تو اس کی آواز میں خوشی تھی۔

”یہ تو بہت اچھا آئیڈیا ہے۔ میں میم نیلوفر سے بات کرتی ہوں مگر آئی ایم شیوران کو اعتراض نہیں ہوگا۔“ وہ خوشی چھپانے کی کوشش کر رہی تھی۔

”الماس ختم۔۔۔ سنو۔۔۔ ایک بات اور۔“ وہ ذرا شرمکے بولی۔ ”اگر تمہیں برائے لگے تو۔ کیا تم نیلوفر خانم سے ایک بات اور پوچھ سکتی ہو؟“

”جی جی۔ بتائیں۔“

”آپ کو ترکی بلانے کے پیچھے میری ایک خود غرضانہ خواہش بھی موجود ہے۔ دراصل۔۔۔“ وہ مسکرا کے بھیںپ کے بولی۔ ”میری ایک بھانجی ہے۔ اس کا نام۔۔۔“ سوالیہ نظروں سے اچھنبے سے خود کو دیکھتے جہاں کو دیکھا تو وہ جلدی سے بولا۔ ”عائشہ۔۔۔ عائشہ گل۔“

”اس کا نام ہے عائشہ گل۔ اس کی دو برس پہلے طلاق ہو گئی تھی مگر اب ہالڈ اس کو دو بار سے جینے کا حوصلہ مل رہا ہے اور اس کی شادی ہو رہی ہے۔ عائشہ بھی تہذیبی ماں کی طرح ایک بہت مضبوط لڑکی ہے۔ بہت بہادر۔ اور میں اس کتاب کی پہلی کاپی عائشہ کو ہی دوں گی۔ اس کی شادی ترکی کے ایک دور افتادہ گاؤں میں ہو رہی ہے۔“ پھر سے سوالیہ نظروں سے جہاں کو دیکھا تو وہ جلدی سے بولا۔ ”ازمیر۔۔۔ ازمیر کے آگے۔۔۔“

”ازمیر کے آگے ایک گاؤں ہے۔ ہم نے پائی روڈ اس کی شادی کے لئے وہاں جانا ہے۔ میں آپ دونوں کو اس شادی پر انوائٹ کرنا چاہتی ہوں۔ اگر آپ کو برائے لگے تو آپ پلیز پورے ہفتے کے لئے ترکی آئیں اور اس شادی میں شرکت کریں۔“

ہمارے گاؤں کے سادہ لوح لوگ آپ کو دیکھ کے بہت خوش ہوں گے۔“

”سوسائٹ نرسب۔ میں ماما سے بات کروں گی۔“ اگلاں جذباتی ہو کے پھر سے میم کہنا تک بھول گئی تھی۔ اللہ حافظ کہہ کے اس نے فون بند کیا تو وہ اسے گھورے چارہ ہاتھا۔

”تم کیا کر رہی ہو؟“

”وقت..... وقت لے رہی ہوں۔“ وہ بھیجیدگی سے بولی۔ ”پانچ دن تک اس کو نال رہی ہوں۔ مجھے اس سے یہ معاملہ انہی پانچ دنوں میں سائن کروانا ہے۔“

”اور یہ اس ترک فلمسٹائی کی کہانی سنانے کا مقصد؟“

”مجھے نہیں معلوم تھا میں کیا بولے جا رہی ہوں۔ بس جو کہانی گھڑی گھڑی دی۔“ بے بسی سے کندھے اچکائے۔ جہاں نے ماتھے کو چھوا۔

”آف لڑکی۔ تم اس کوڑی جا رہی ہو۔ یعنی اب تو وہ بالکل بھی معاہدہ پہلے سائن نہیں کرے گی۔“

”اسی لئے مجھے کچھ ایسا کرنا ہے جس سے وہ مجبور ہو جائے اور ترکی آنے سے پہلے ہی معاہدہ سائن کر کے مسودہ میرے حوالے کر دے۔“

”مگر کیا؟“ وہ حیران بھی تھا اور قدم پریشان بھی۔ تالیہ مراد نے کندھے اچکائے اور شال کندھوں پہ لپیٹے ہاتھ کھڑی ہوئی۔ ”وہ میں نے ابھی نہیں سنا۔“

”تو جا کہاں رہی ہو؟“

وہ جو دروازے کی طرف بڑھ رہی تھی لڑکی اور پلٹ کے اسے دیکھ کے مسکرائی۔

”بہت ساری ہا کلبٹ کمانے کیونکہ تالیہ کا داماش اور دل ہا کلبٹ کے ساتھ زیادہ اچھے سے کام کرتے ہیں۔ تم کہاؤ گے؟“

”تو ٹھیکس۔“ وہ رکھائی سے کچھ اٹھ کھڑا ہوا۔ اسے جیسے اس لڑکی کے انداز پہ خندہ آ رہا تھا۔

☆☆=====☆☆

پہرہ ڈشپ کا ایک نہایت اچھا تاریک ریسٹوران تھا جو مرکزی ڈسٹریکٹ ہال سے الگ تھا اور یہاں ممنوعہ مشروبات کی فراہمی جاری تھی۔ الگول ویسے تو ممنوع تھی مگر خطری آف فورزم کے اپروڈ شدہ چند بوتلز میں سرو کی جاتی تھی۔ چونکہ یہ شجر ممنوعہ پمشتل ریسٹوران تھا اس لئے اس میں قیام نہ سم اور خواہناک رکھی گئی تھیں۔

ایسے میں کھڑی کے ساتھ ایک کرسی پر بیٹھی تالیہ اپنی پلیٹ کو دیکھ رہی تھی۔ پلیٹ پہ قاتحانہ انداز میں اپنے پورے قدم سے کھڑا موٹن چاکلیٹ کا لادو ایک مسکرا رہا تھا۔ تالیہ مروا جیسے کیلورین گن گن کے کھانے والے لوگوں کے لئے اصل شجر ممنوعہ اس لادو ایک جیسی اشیاء ہوتی تھیں۔ چاکلیٹ سے بنی مٹھی اشیاء جو حرام کا درجہ رکھتی تھیں اسی لئے ان کو چھکنے کی خواہش اور تڑپ بے باک تھی۔ اب بھی وہ چیخ پکڑے اس کیک کو دیکھے جا رہی تھی۔

کیا ابھی بھی وقت ہے کہ کدک جاؤں؟ یا کرگزر دوں؟

فون کی ٹون کی تو وہ چنگی۔

ایم کا ٹک۔

یہ اس کا پرانا فون تھا جو اس نے آئی ڈی ڈائی فائی سے کنکٹ کیا تھا۔ اس امپ پاس کو تھوڑی دیر پہلے آن لائن دیکھ کے اس کا سٹینس شاید روز چیک کرنے والا ایم کا کال کر رہا تھا۔

تالیہ نے دھڑکے سے ہتھی رکھا اور فون کو بجنے دیا۔ تاثرات سنجیدہ ہو گئے۔ سیاہ بالوں کو رنگ نکال کے چھوٹی پونی میں باندھے کبلی بیٹھی لڑکی خفا نظر آتی تھی۔

ایم کے ساتھ بہت کچھ یاد آیا تھا۔

خزانے کی تلاش کا سفر۔۔۔ اور وہ چاکلیٹ ایک جوہر من باؤ کے گھر کے قریب ریستوران میں ان چھو اچھوڑ کے قدم پر ملا کر میں چلی گئی تھی۔

ہمراہ ہم ملا کر کاجنگل۔۔۔ اور جنگل میں چھپے کو کو پھل میں چاکلیٹ کا ڈاکٹ۔۔۔

واپس آ کے فاتح کی طرف سے ایم کے ذریعے بھیجے گئے چاکلیٹ۔۔۔

وان فاتح کو بلیا میں کا صدر جانے کے لئے جدو جہد کرنا۔۔۔ فاتح کا اس کے گھر کو کو پھل دیکھنا۔۔۔

تالیہ کا مصر چلے آنا۔۔۔ اور سامنے کھا گرم گرم چاکلیٹ لادو ایک۔۔۔

چاکلیٹ ہر جگہ تھی۔

شجر ممنوعہ۔۔۔ اس کی بھوک۔۔۔ تڑپ۔۔۔ اور اس کو چھکنے کے بعد گھٹ کا احساس۔۔۔

کال مسلسل آ رہی تھی۔ تالیہ نے ٹھن دیا اور فون کان سے اٹکایا۔

"میلا ایم۔" اس کا انداز سخت اور سنجیدہ تھا۔

"جے تالیہ؟" ایم کی حیرت بھری آواز سنائی دی۔ جیسا سے خود بھی تالیہ کے کال اٹھانے پر یقین نہ آیا ہو۔



”کس لئے فون کیا؟“

”آپ کہاں ہیں؟“

”دو ہفتے بعد تم پہ چھوڑ ہے ہو کہ میں کہاں ہوں؟“ وہ سارا غصہ جو اسے لگتا تھا وہ اندر دبا رکھی ہے وہ اہل اہل مکے جا بر آنے لگا۔

”ظاہر ہے میں آپ سے ہی پوچھوں گا۔ کوئی اور تو تانے کو تیار ہی نہیں ہے۔ آپ کیسی ہیں؟“

”اگر تمہیں پروا ہو تو میں کہیں ہوں تو تم دو ہفتے پہلے میرا حال پوچھتے آج نہیں۔“

”میں نے آپ کو اتنی سیلر کیں اسنے بیسیجڑ کیے۔۔۔“ وہ اس کے انداز پر پہریشان ہو چلا تھا۔

”اگر میری جگہ تم سنگ ہوتے تو کیا تالیہ صرف اسی سیلر یا بیسیجڑ کرتی ‘ایڈم؟‘ وہ دھک سے بولی تھی۔ ”نہیں۔ تالیہ تمہاری

حاش میں شہر کا ہر کونہ جھانک دیتی مگر تالیہ اپنی کتاب کی تکمیل کے لئے ملا کہ نہ چلی جاتی۔“

”ہے تالیہ۔۔۔ میں۔۔۔“ وہ جیسے کچھ سمجھ نہیں پا رہا تھا۔

”میں تم سے کوئی بات نہیں کرنا چاہتی۔ تم سے کیا کسی سے بھی نہیں۔“ وہ دانت پہ دانت جھائے دشتی سے کہہ رہی

تھی۔ ”تم لوگوں نے میرا دل توڑا ہے۔ تم لوگوں نے مجھے اس وقت چھوڑ دیا جب مجھے تمہاری ضرورت تھی۔ میرے لئے کوئی

نہیں آیا ایڈم۔ کوئی بھی نہیں۔“

”وان فاتح نے کہا تھا کہ آپ حکومتی فہران کے ساتھ ہیں۔ وہ آپ کو ہم سے ملنے نہیں دے سکتے تھے اور۔۔۔“

”اور تم نے کوشش بھی نہیں کی؟ تمہیں کیا لگا تھا۔ وہ مجھے کسی گیسٹ ہاؤس میں مہمان کی طرح ٹھہرائے ہوئے ہوں گے؟ کیا

تمہیں احساس نہیں ہوا کہ وہ مجھے کسی قیدی کی طرح قید خانے میں ڈالے ہوئے ہوں گے؟“

”قید خانہ؟ ہے تالیہ۔۔۔ میں واقعی حیران ہوں۔ آپ کیا کہہ رہی ہیں؟ میں نے یہ سنا تھا کہ آپ بے شک ان کی تحویل میں

ہیں مگر خبر سے سے ہیں اور پھر یہ چلا کہ آپ ان سے فیمل کر کے باہر چلی گئی ہیں۔ مجھے نہیں معلوم تھا کہ آپ۔۔۔“

مگر وہ اس کی بات نہیں سن رہی تھی۔ ”مجھے اس سے فرض نہیں ہے کہ کسی نے تمہیں کیا کہا۔ تم نے ”خود“ کچھ نہیں کیا

میرے لئے۔ تالیہ غائب تھی تالیہ کی خبر تک نہیں آ رہی تھی اور تم سب نے گمان کر لیا کہ تالیہ بالکل ٹھیک ہے؟ حیرے میں ہے؟

کسی نے میرے لئے اگلی تک نہیں اٹھائی۔“ وہ درد سے بول رہی تھی۔ اس کو اس بات کا کتنا اٹل تھا اسے خود بھی ابھی معلوم

ہو رہا تھا۔

”خبر تو صرف میرے لئے نہیں آئی تھی؟ ہے تالیہ۔ وان فاتح کے لئے تو آپ کی طرف سے ہماری خبریں موصول ہو رہی

تمہیں۔ آپ کے پاس ان کو پائلٹ لائسنس بھیجے گا وقت تھا تو مجھے کیسے معلوم ہو سکتا تھا کہ آپ قید ہیں؟ میں سمجھا تھا کہ آپ خود ہم سے رابطہ نہیں کرنا چاہتے اور۔۔۔“

”وہیٹ۔۔۔ وہیٹ۔۔۔ کون سے چائلٹ لائسنس؟“ اسے لگا اس نے غلط سنا ہے۔

”چھوڑیں چائلٹ لائسنس کو۔ آپ کسی کو جو بھی لکھیں، مجھے اس سے غرض ہونی چاہیے نہ مجھے کسی کو کپیئر کرنا چاہیے۔ میں معذرت خواہ ہوں کہ آپ کی اسیدوں پہ پورا نہیں اتار سکا۔ میری جگہ آپ ہونیں تو آپ مجھے ڈھونڈ لگائیں کیونکہ آپ تالیہ مراد ہیں۔ مگر میری صلاحیتیں آپ بھی نہیں ہیں۔“

”نہیں تم نے چائلٹ ایک کے بارے میں کیا کہا؟“ اس کی سوئی دہریاں اٹک گئی تھیں۔

کیا اپنے سامنے رکھے ایک کی خوشبو اس کو غلط سننے پہ مجبور کر دیتی تھی یا۔۔۔؟

”نہیں کہنا چاہیے تھا۔ مگر کیا ہم بات کر سکتے ہیں؟ یا جب آپ کا قصہ ختم ہو جائے تو کیا ہم بات کر لیں؟ کیونکہ اگر مجھے اپنی کتاب کو آپ پر فرویت دینی ہوتی تو ان فاتح کے بارے میں جو باتیں مجھے معلوم ہوئی ہیں ان کو شائع کر چکا ہوتا۔ آپ کے دل کی پروا کچھ نہیں۔ مگر مجھے آپ کی فکر تھی۔ آپ کو شاید میری نہ ہو۔ پہلے آپ قید میں تھیں، ٹھیک ہے مگر اب نہیں ہیں۔ آپ بھی کال کر سکتی تھیں۔ اور شاید دوسرے دوستوں کو آپ کر بھی لیتی ہوں۔ صرف ایڈم ہے جو ہمیشہ آپ کی بے اعتنائی کا شکار رہتا ہے۔ یا شاید اب آپ کے نئے دوست بن چکے ہوں۔“ وہ تنگی سے کہہ رہا تھا۔

”میں تمہاری سیلٹ پٹی والی باتیں نہیں سنتا چانتی۔ اور ہاں۔۔۔ میں بالکل ٹھیک ہوں، خوش ہوں، محضے میں ہوں۔ اور مجھے کسی دوست کی ضرورت نہیں ہے بلکہ یہاں پہ میرے پاس ایک زیادہ اچھا دوست ہے جو آئرن جیل بھی ہے اور خیال رکھنے والا بھی اور وہ میرا ساتھ چھوڑ کے بھاگ نہیں جاتا، میرے لئے کوشش کرتا ہے کہ وہ بد لے میں کچھ مانگے بغیر میرے مسئلوں کو فکس کرنے کی کوشش کرتا ہے۔“ یہ کہہ کے اس نے کھانک سے فون رکھ دیا۔ چہرہ جذبات کی شدت سے سرخ پڑھ رہا تھا اور لب بھنچا رکھے تھے۔ قصہ دکھانے کی بجائے اس نے اسرار کا ایک ساتھ اندر اہل اہل رہے تھے۔

”آئرن جیل، کیئر جیل، مسئلوں کو فکس کرنے والا۔۔۔۔۔ I am flattered۔“

آواز پہ وہ ایک ہنسنے سے مڑی تھی۔ وہ جانا آہٹ کے کب اور آ کے کھڑا ہوا تھا، تالیہ کو احساس بھی نہیں ہوا اور اس کے الفاظ۔۔۔ اس نے ٹپکٹپکٹی مٹکی میں زور سے بھنچا۔

”کسی کی باتیں چھپ کے سنتا انتہائی غیر اخلاقی حرکت ہے۔“ اس کا چہرہ غصے سے مڑ رہا تھا، تالیہ نے لگا۔ حیرتی سے وہ ٹپکٹپکٹیں کود میں بھانے لگی۔

وہ مسکراتے ہوئے سامنے دانی کریں؟ کے بیٹا اور دوسرا فٹکیں کھولا۔

”چھپ کے؟ میں تو درجنوں لوگوں کے سامنے یہاں آیا ہوں۔ خود ہی تو چاکلیٹ کے لئے انوائسٹ کیا تھا تم نے۔“ وہ کافی مخلوط نظر آتا تھا۔

”اور تم نے انکار کر دیا تھا۔“ اس نے بس اسے کھد اور پلٹے اپنی طرف کھد کالی۔  
(اس آدمی کے جھوٹ کی آواز کیوں نہیں آتی تھی؟)

”میں نے ارادہ بدل لیا کیونکہ تم خود ہی تو کہتی ہو چاکلیٹ سے دماغ کام کرتا ہے۔ کین آئی؟“ مسکرا کے پوچھتے ہوئے جہان نے چیخ آگے بڑھایا اور اس سے پہلے کہ وہ روکتی اس نے گول سے ایک میں چیخ گھسا دیا تھا۔  
شاید اس کو توقع تھی کہ وہ اپنے چیخ میں ایک بھر لے گا۔۔۔ اور صرف ایک کوٹے کو محروم کرے گا۔  
مکروہ لاوا ایک تھا۔

ادھر جہان کے چیخ نے ہار ایک دیا اور میں دراڑ ڈالی۔ ادھر ایک کی گول چارویواری اور صحت دھڑام سے نیچے آ گری۔  
اندر سے پھلا ہوا چاکلیٹ لاوے کی صورت بہہ کے نکلنے لگا۔

”Oops!“ اس نے چاکلیٹ میں اتھرا چیخ بے اختیار بھیجے کیا۔ مسکراہٹ غائب ہوئی اور فوراً سے نظریں اٹھا کے تالے کو دیکھا جس کا تاپنے ایک کے اس زوال پہ صدے سے مکمل کیا تھا۔  
”سوری“ یہ لاوا ایک تھا؟ دیکھنے سے تو نہیں لگ رہا تھا۔“

بے اختیار دونوں ہاتھ اٹھا دیے مکروہ سرخ چہرے اور ماتھے پہ مل لئے اسے گھور رہی تھی۔  
”تم نے میرا ایک تو زو یا ہے؟“ اس کو صدمہ جانے کس بات کا زیادہ تھا۔

”کہہ رہی ہوں، سوری! تم خود چیخ مار تیں تب بھی اسے ٹوڑی تھا۔“ اس نے سادگی سے کندھے اچکائے۔  
”یہ میرا ایک تھا۔“ وہ دانت چیں کے غرائی۔ ”میں نے اسے ٹوڑ دیا تھا۔ تم کسی لڑکی کا ایک اس کی مرضی کے بغیر کیسے توڑ سکتے ہو؟“

”ایک تو پتہ نہیں لڑکیاں اپنا ایک نوٹے کوانا کا مسئلہ کیوں بناتی ہیں۔“ اس نے انہوں سے سر جھکا اور پھر کھٹکھٹا۔ ”وہ ابھی تم کیا کہہ رہی تھیں؟ آؤ، بھل، کسمیرہ لک اور تیسرا لک کیا تھا؟“

”دوبری تھی۔“ اس نے پلٹتے مزید قریب کی اور پہنے چاکلیٹ سے چیخ بھرا۔ ”میں صرف اپنے دوست کو تکلیف دینے کے لئے کہہ رہی تھی۔“ اور جیڑی سے چیخ بھر بھر کے منہ میں رکھنے لگی۔

”شرمندہ مت ہو۔ مجھے راز رکھنے آتے ہیں۔“ اپنی کیپ کو مزید بھکا تاؤد مسکرا کے اٹھ گیا۔

”تمہاری یہ عادت بہت بری ہے، جہاں ہے۔“ تالیہ نے شکایتی نظروں سے اسے دیکھا تھا۔

”کیک توڑنے والی؟ مجھے پتہ ہے۔“

”نہیں۔ جانا آہٹ کے کسی کے پیچھے کھڑے ہو جانے والی۔“ وہ جل کے بولی تھی۔

”واٹ ایئر۔ بہر حال مجھے خوشی ہے تم نے پیچھے رہ جانے والوں سے رابطہ استوار کرنے کی کوشش کی۔ صلح کرنے والے کا غم ناراض رہنے والے سے کم ہی ہوتا ہے۔ تم اس فیصلے پر کبھی نہیں بچھڑاؤ گی۔“

وہ ہونہار سر جھٹک کے تیز کھانے لگی۔ گرم گرم مائع اس کے اندر جا کے اسے عجیب سے احساس سے روشناس کروا رہا تھا۔۔۔۔۔

دنیا میں چاکلیٹ اور محبت جیسی دوسری کوئی ممنوعہ شے اتنی لذیذ نہیں ہوتی شاید۔

☆☆=====☆☆

رات مزید گہری ہو رہی تھی۔ تالیہ کے کمرے کی گول کھڑکی سے باہر کا منظر واضح دکھائی دیتا تھا۔ پانی پہ چار پانچ کروڑ شمس اور چھوٹی کشتیاں ان کے ساتھ ساتھ تیرتی دکھائی دیتی تھیں۔ شپ ایک درمیانی اسٹاپ پہ کھینچے کو تھا اور یہاں اس کو رکنا تھا۔ یہ esna کا مندر تھا اور شپ کے مسافروں نے اتر کے اس کا دورہ کرنا تھا۔

ایسے اسٹاپس پدہ عموماً شپ کے اندر ہی رہتی تھی مگر پانی کی یہ قید بھی اب طبیعت کو استہٹ میں جلا کر دی تھی۔ بندر گاہ ابھی دور تھی۔ مندر اکروڑ دوسری کشتیوں کی سرائی میں دھیرے دھیرے اس جانب بڑھ رہی تھی اور تالیہ مونسے پہ ہڑاؤ کیے بیٹھی کھڑکی سے باہر تیرتی روشن کشتیوں کو دیکھ رہی تھی جب دروازہ کھٹکا۔

”آ جاؤ۔“ اس نے باہر دیکھتے ہوئے قدموں سے نوٹھے پن سے کہا تھا۔

وہ بنا آہٹ کے اندر داخل ہوا۔ پھر دروازہ بند کر کے اس کے مونسے کے سامنے آیا اور کھٹکھٹا رہا۔

”اچانک کیوں بلایا؟“ غبر سے؟

تالیہ نے چہرہ موڑ کے انہی خفا نظروں سے اسے دیکھا۔ اس کی ہنی کیپ غائب تھی اور گہرے بھورے ہال ہاتھ پہ بکھرے تھے۔ جیکٹ ہڈ ستور پہ پٹی تھی اور ہاتھ جیبوں میں ڈالے تھے۔

”میں نیلوفر کے ساتھ کھیلے جانے والے کون۔ نیم کو مزید وسیع کرنے جا رہی ہوں۔“ تالیہ نے ہر نیچے کیے اور ہیڈ فون اٹھا کے کانوں پہ پہنا، پھر لیپ ٹاپ اسکرین کو روشن کیا اور چند کلکز دیا کیں۔

”وہ کیسے؟“ وہ پر سوچی نظروں سے اسے دیکھتا سامنے آ کے بیٹھا اور دوسرا ہیڈ فون اپنے سر پہ پہنا۔

”اس چیز کے ذریعے جو ہر انسان کی کمزوری ہوتے ہیں۔ اس کے خواب۔“ وہ مسکرائی۔ ”میں نیلو فر کو ایک نیا خواب دکھانے جا رہی ہوں۔“

”اس کا خواب ترکی اور کینیڈا میں پھٹش ہونا ہے جو نضب پہلے ہی پورا کر رہی ہے۔“

”ہاں لیکن اگر اسے کسی تیسرے ملک میں بھی پھٹش ہونے کا خواب دکھایا جائے تو؟“ وہ چیلنجنگ انداز میں پوچھ رہی تھی۔ ”ایشیاء کا ایک ایسا ملک میں جہاں کامیڈیا شخصی بھری کتابوں کو اچھالنے میں ماہر ہے اور چونکہ وہ ملک غربت اور کرپشن کا فنکار ہے اس لئے وہاں قوانین کمزور ہیں اور اس ملک کے باشندے کو قانونی مقدمات کا ڈر نہیں ہے۔“

”یہ تم میرے ملک کے بارے میں کہہ رہی ہو؟“ اس نے برہمی سے پھنکی۔

”میں انڈیا کی بات کر رہی ہوں۔“

جہاں کے سنے تاثرات ڈھیلے پڑ گئے۔ ”لوہ شیور شیور۔“ اور وہ پیچھے کوٹھکے بیٹھا گیا جیسے تالیہ کو جو چاہے کرنے کی اجازت دے رہا ہو۔

”نیلو؟“ الماس کی آواز اتنی کمزور پابھری تو تالیہ جہاں کو دیکھتے ہوئے مسکرا کے بولی۔

”الماس جنم۔۔۔ موت نہیں دی تھیں؟ میرے پاس قہار ہے لیے دو خبریں ہیں۔“

”نہیں نہیں ڈرینپ۔۔۔ تو پراہم۔ آپ بتائیں۔“ وہ نہ صرف متوجہ تھی۔ بلکہ اسے ڈرینپ کی آواز سن کے خوش بھی محسوس ہوئی تھی۔

”میں نے ایک تک مترجم سے بات کی ہے۔ آپ ترکی آ کے سو دن ہمیں دیں گی تو ہم وہ اس کے حوالے کریں گے تاکہ وہ ترجمہ اشارت کر دے۔ وہ تین ہفتے میں اس کا ترجمہ کر دے گی اور جو تھے ہفتے ہم چھپائی کا کام شروع کر دیں گے۔“ کہتے ہوئے تالیہ نے ایک خاموش نظر اٹھا کے جہاں کو دیکھا جو اسے ہی دیکھ رہا تھا۔

”اوکے ٹھیک۔ اور دوسری بات۔“

”دوسرا یہ کہ جنگجو گن رجٹم ہاؤس انڈیا کا ایک سب ایڈیٹر دو دن بعد استنبول آرہا ہے۔ وہ ہمارا بہت اچھا دوست ہے اور ہمارے ساتھ کافی پراکٹیکلس کر چکا ہے۔ وہ آپ کی کتاب کے ہندی ترجمے میں اعتراض ہے۔“

”وہ یہ تو دلچسپ خبر ہے۔ مجھے کچھ اس کے بارے میں بتائیں۔“

”میں اس کو آپ کا نمبر دے دوں گی۔ آپ دونوں آپس میں کانٹکات کر لیجیے گا۔ وہ کافی پروفیشنل ہے اور سب سے اچھی

بات یہ ہے کہ وہ بھی ہماری طرح قین ہنتوں میں (بکھرے جہان کو دیکھا) ترچے کا کام مکمل کر کے چوتھے ہٹے میں چھپائی شروع کر دے گا۔ ایک ماہ بعد آپ کی کتاب منظر عام پر آ جائے گی۔“ اس نے تیسری دفعہ جہان کو دیکھا تو وہ غور سے اسے ہی دیکھ رہا تھا۔ تالیہ نے نظریں چرا لیں۔

”زبردست۔ پلیز آپ مجھے ان سے انٹیک کروادیں۔“

”اوہ ہاں، چونکہ وہ اعلیٰ ہیں تو وہاں defamation کے قوانین اتنے سخت نہیں ہیں۔ اس لئے پبلشر آپ کے content پر اعتراض نہیں کرے گا۔ آپ کسی کے خلاف کچھ بھی لکھ کے چھپا سکتی ہیں۔“

فون بند کر کے ہیڈ فون اتارے تو دیکھا تو اسے سوچتی نظروں سے دیکھ رہا تھا۔ تالیہ نے موبائل پر اسٹاپ دینے لگائی اور اسے میز پر دونوں کے درمیان رکھ دیا۔ سیکنڈز پانی کی دھار کی صورت تیزی سے اسکرین پر گرنے لگے۔

”ایسے کیا دیکھ رہے ہو؟“

”تم کال کے دوران مجھے ہار ہمارا کسی looks کیوں دے رہی تھیں؟“

”میں نے کچھ کہا ہے کیا؟“ شغرائی ہے نیاز تھی۔

”نہیں مگر جب انسان کوئی کام ایک سے زیادہ دفعہ دہرائے تو وہ اتفاق نہیں ہوتا۔“ وہ آگے کو جھکے غور سے اس کے تاثرات پر غور رہا تھا۔ تالیہ نے بے اختیار مسکراہٹ لہوں پر دو کی۔

”جو میں نے الماس سے کہا تمہیں اس میں کچھ بھی خیر ان کن نہیں لگا؟“

”مثلاً کیا؟“

تالیہ کی مسکراہٹ گہری ہوئی۔ ”تم کسی رامنہ کے دوست نہیں ہو اس لئے نہیں جانتے کہ کوئی انٹرویویشنل پبلشر بھی نیلوفر کی کتاب ہمارے ہٹے میں نہیں چھاپ سکتا۔“

”مہ جٹک میں اتنی دہر تو نہیں لگتی۔“

”ایڈیم کی وجہ سے مجھے ان باتوں کا اندازہ ہے۔ الماس نے کسی حقیقی پبلشر کے ساتھ کام کیا ہوتا تو اسے بھی معلوم ہوتا کہ پبلشرز چھپائی میں پورا سال لگاتے ہیں۔“

میز پر پلٹتی اسٹاپ دینے رحمت کے زردوں کی طرح وقت کو گرائے جا رہی تھی۔

”اوہ۔ تبھی اس نے کہا تھا کہ جتنے پبلشرز نے اس کو انفر کی ان کو کتاب کے سوا پبلشر اعتراض تھا اور الماس کو ان کی تاہم لائن

پ۔“ اسے یاد آیا۔

”بالکل۔ نیلو فر کتاب کو ایک ماہ کے اندر لانچی کرنا چاہتی ہے۔ روایتی پبلشرز سال لگا دیتے ہیں اس لئے اس کے لئے یہ تصور خوش آئند ہے کہ وہ بین الاقوامی پبلشرز اس کی کتاب ایک ماہ کے اندر لے آئیں۔“

”پہلے تم اکیلی تھیں۔ اب تمہارے ساتھ افریقین پبلشر بھی ہے یعنی تمہیں ہر ارض کرنے کا مطلب دو پبلشرز کو کھانا ہے۔ تم نے اس کے لئے stakes بڑھا دیے ہیں۔ گڈ۔“

”واہ۔ تم میری تعریف کر رہے ہو؟“

”تم نے بھی تو کی تھی۔ آئرن، بل، کیمبرلک، مسکے ٹکس کرنے والا۔“ سادگی سے مسکرا کے جتا گیا۔

الفاظ تھے کہ کڑوا مانع جو تالیف کے اندر تک آ گیا۔ اس کے ماتھے پہ بل آگئے اور منہ میں گیا۔

”You Wish!“ اور ہونہ میں سر ہلکا۔ پھر سو پاکی اٹھا کے اسٹاپ دانی دیکھی۔ ”ہندو منٹ مزے۔“

یہ اسے خاموش رہنے کا اشارہ تھا۔ وہ کٹری کے باہر دیکھنے لگا۔ جہاں جہاز بندر گاہ تک پہنچی چکا تھا۔

رات کے اندر صرے میں بندر گاہ کی جہاں تو جل ہی رہی تھیں، مگر دور.... سامنے.... وہ باکے ایک کنارے ایک تاریخی مندر کی عمارت کھڑی تھی۔ اس کے اندر باہر دروازے تھے جگہ گاہ ہے تھے۔ تاریک رات میں یہ جگہ کا قدیم مندر ایک دم سارے منظر کو سحر انگیز کر گیا تھا۔

”کل ہم باہر جائیں گے اور اس مندر کی تصاویر لیں گے۔“ وہ باہر دیکھ کے سوچتے ہوئے بولا۔

تالیف نے اس کی بات نظر انداز کی۔ (اس کا باہر جانے کو قطعاً کوئی ارادہ نہ تھا۔) اور ہینڈ فون بھر سے چڑھا لیا۔ کال ملتے ہی وہ ایک دم چہرے پر سو کو اور اثرات لے آئی اور یونی تو آواز بجلی تھی۔

”الہاس جنم... معذرت مگر میرے پاس دوسری خبریں ہیں۔“

جہاں بے اختیار کمر سیدھی کر کے بیٹھا اور دونوں ابرو اٹھا کے اسے دیکھا۔ وہ اداسی سے کہے جا رہی تھی۔ ”جیلی تو انڈین پبلشر کے بارے میں ہے۔ بہت معذرت کہ میں نے اس کا ذکر ایک منٹ میں کر دیا مگر اس کی پوری بات نہیں سنی تھی۔“

”اوہ تو وہ کتاب نہیں چھاپنا چاہتا؟“ الہاس بھونکی تھی مگر غائبہ نہ کرنے کی کوشش کر رہی تھی۔

”غائبہ ہے کہ وہ چھاپنا چاہتا ہے مگر میں بھی کہہ رہی تھی کہ وہ چھاپنا چاہتا ہے۔ یونی ہماری انجینیئر بنیادی طور پر بین الاقوامی مترجم کے ساتھ ڈیل کرتی ہے۔ مگر...“ اس نے سر آؤ اندر کھینچی۔ سامنے بیٹھا جہاں اب مسکرا رہا تھا۔ اس کی مسکراہٹ کبھی کبھی دیکھنے کو ملتی تھی مگر اس سے ظاہر تھا کہ وہ اس کا گناہ نہ کچھ کیا ہے اور یہ کھیل اسے محفوظ کر رہا ہے۔

”مگر؟“ الہاس کا سانس رک گیا۔

”مگر مسئلہ یہ ہے کہ وہ انگریزی درژن ہی چھاپنا چاہتا ہے۔ اور بیکل۔ مگر وہ تو آپ لوگ ماشاء اللہ خود ہی چھاپ رہے ہیں تو میں نے اس کو یہ کہہ کے انکار کر دیا کہ ان کے پاس انگریزی کے لئے پہلے ہی پبلشر موجود ہے۔“

دوسری جانب چند لمحے کی خاموشی چھا گئی۔ جہاں اسی طرح مسکرا کے اسے دیکھ گیا۔ انگلیوں پر وہ سیکنڈز کا کاؤنٹ ڈاؤن کر رہا تھا۔ تین... دو... ایک...۔

اور ایک پہ الماس بدقت بولنے کے قابل ہوئی۔ ”زینپ... آریو شیور وہ انگریزی ہی چھاپنا چاہتا ہے؟ اور وہ تین غنٹوں میں کتاب لے آئے گا؟“ وہ بمشکل اپنی آواز سے خوشی چھپانے کی کوشش کر رہی تھی۔

”جی کیونکہ اٹلی میں انگریزی کی کتابوں کی ریڈر شپ بہت اچھی ہے۔ مگر میں نے انکار کر دیا کیونکہ غابر ہے آپ...“

”نہیں... زینپ... میرا مطلب ہے کہ یہ تو اچھی بات ہے اگر وہ انگریزی چھاپنا چاہے۔ ہمارے خود سے پبلش کرنے اور ایک ہا سو پبلشر کے پبلش کرنے میں بہت فرق ہوگا۔“

”الماس جنم... میں آپ کو مختصراً مشورہ دوں گی۔ آپ اٹلی میں صرف ہندی ترجمہ چھپوائیں کیونکہ انگریزی درژن اٹلی میں پبلشر کو دینے کا مطلب ہے کہ پھر کوئی امریکی یا برٹش پبلشر آپ سے وہ کتاب نہیں لے گا۔“

”وہ کیوں؟“

”کیونکہ برٹش اور امریکی پبلشر اپنی کتابوں کا ایک بڑا احصاء بنایا بیٹھتے ہیں۔ اور اٹلی اپنی کتابوں کو دوسرے ممالک میں اتنا پھیلا دیتا ہے کہ برطانیہ یا امریکہ کے پبلشرز اس کتاب کو نہیں لیتے...“

”اس کا تو مطلب ہے کہ اٹلی میں پبلشرز کا مینٹ ورک بہت وسیع ہے اور اگر وہ ہماری کتاب کو دوسرے براعظموں تک پھیلا سکتا ہے تو ہمیں پھر امریکی یا برٹش پبلشر کیوں چاہیے ہوگا؟“ الماس دہلے دہلے جوش سے کہہ رہی تھی۔

”ہاں یہ تو ہے مگر میری پروفیشنل رائے میں...“

”نہیں زینپ... آپ اس سبائیڈ ٹر سے مینٹگ سین کریں۔ ہم اسٹوبل آ کے اس سے مل لیں گے۔ ہمارے لئے اٹلی میں کتاب بچھوانا زیادہ فائدہ مند ہے۔ اور ہاں دوسری بری خبر کیا تھی؟“

تالیہ نے گہری سانس لی اور اسی سوگواریت سے بولی۔ ”جس مترجم کو میں ہار کر چاہتی ہوں اس کے پاس صرف اگلے بار دور کنگ ڈسے فارٹ ہیں۔ پھر وہ امریکہ چل رہی ہے۔ وہ چاہتی ہے کہ ہم پرسوں سے کام شروع کر دیں۔ مگر آپ کے آنے میں ابھی پانچ روز ہیں۔ اب مجھے یہ سمجھ نہیں آ رہا کہ اگر ترجمہ پانچ دن بعد شروع ہوتا سات دن میں وہ کیسے ختم ہوگا۔“

”کیا وہ سات دن میں نہیں مکمل کر سکتی؟“



”اسپائل۔ یہاں فی گھنٹہ کے اعتبار سے کام ہوتا ہے اور کوئی کو یہ قرار دیکھنے کے لئے وہ اس سے زیادہ جلدی نہیں کر سکتی۔ مگر آپ کل ہی کل استقبال بھی نہیں آ سکتیں۔“

”میں۔۔۔ اس بارے میں میڈم نیلو فر سے بات کروں گی۔ آپ انٹرن ہا بشرز سے بات کر لیجئے گا۔“ اس کا رمانج ابھی تک وہیں تھا۔

”شیور۔ میں بھی توجے کا کوئی حل نکالتی ہوں۔“

فون بند کر کے وہ مسکرا کر اسے دیکھ کے بولی۔ ”ہاں سچے ہو بھریں Con کیا ہوتا ہے؟ وہ جس میں ہارمن کو لگے کہ ہمارا آئیڈیل اس کا پتا ہی تھا۔“

وہ مسکرا کر کھڑا ہوا اور کھڑکی کے پار دیکھا جہاں دور جگہ گاڑا ہوا مندر کھائی دے رہا تھا۔

”کل ہم باہر جائیں گے اور اس مندر کی تصاویر لیں گے۔ اب تم مصر آئی ہو اور تمہیں میں اپنا شیور دکھاؤں تو یہ آڑ۔ ہل اور کیٹرنگ دیکھیں ہو گا۔“

اب کی دفعہ تالیہ نے براہمنس منایا۔ وہ دروازے کی طرف بڑھ گیا تو وہ سوچتی نظروں سے اسے دیکھنے لگی۔

اس نے مندر جانے والی بات وہ دفعہ دہرائی تھی۔

☆☆=====☆☆

صبح کی روشنی میں مندر کی بقیوں پر صبح پڑ گئی تھیں۔ اس کے کندھراتی ستون زرد اور میلے سے لگتے تھے۔ سیاحوں کی ایک بڑی تعداد مندر کے احاطے میں بکھری تھی۔ زیادہ تر سیاح مختلف کردشیں پہ آئے تھے۔ مگر کچھ ایسے بھی تھے جو براہمنس کے یہاں پہنچے تھے۔ لوگ تصاویر اٹارہ۔ ویلے پولا لگا رہا تھے۔ گائیڈز کارہا رہا یا جانے سنتے ہوئے گردپ کی صورت مندر کے اندر جا رہے تھے اور شاید صرف ایک ہی تھی جو اس بلند قامت عمارت کے باہر پوری کھڑی تھی۔

اس نے سیاہ اسکرٹ کے اوپر شلرنگ کی بناط صیبا چیک والا سیاہ سفید کوٹ پہن رکھا تھا۔ سفید ہیٹ کھلے بالوں پہ جما تھا اور ماتھے پہ مل تھے۔ گردن اونچی اٹھائے وہ قد اند نظروں سے کھنڈر کو دیکھ رہی تھی۔

”جنہیں قدیم زمانے کی چیزوں میں دلچسپی نہیں ہے؟“ وہ اس کے کندھے کے پیچھے آ کھڑا ہوا اور آہستہ سے بولا تو تالیہ نے گردن موڑ کے اسے دیکھا۔ وہ ہنسی کیپ پئے ”من گامز لگائے“ جیکٹ کی آستین پیچھے کو موڑے کھڑا مطمئن نظر آتا تھا۔

”نہیں۔ مجھے کوئی شوق نہیں ہے قدیم زمانوں میں واپس جانے کا۔“

”واپس جانے کی بات کون کر رہا ہے؟ میں تو اس کے اندر جانے کا بہرہ رہا تھا۔“

”ایک سی بات ہے۔ مجھے کوئی بھی انہی چیز اپنے گروئیں پسند جو مجھے قہیم زمانے کی یاد دلائے۔“

”ہنڈو... میری درکشاپ سے دو گھنٹیاں چھوڑ کے ایک سائیکلائسٹ کا ٹھکانہ ہے۔ میری مافوق...“

”تم پور کیوں نہیں جوتے؟“ وہ اس کے بولی تھی۔ ”ہم اس دن سے ایک کروڑ شپ میں مقید ہیں۔ میرے کمرے کی کول کڑی کے سامنے بیٹھ کے ہم سارے پلان بٹاتے اور ان پہ عمل کرتے چارے ہیں۔ ایک ہی منظر ایک ہی ماحول سے تم جگ نہیں آتے؟“

وہ سادگی سے مسکرایا اور کندھے اچکائے۔

”نہیں۔ کیونکہ میرے اندر تم سے زیادہ اطمینان ہے۔“

مند کے قریب وہ دونوں آمنے سامنے کھڑے تھے اور وہ سوچتی نظروں سے اسے دیکھ رہی تھی۔

”اور تمہارے اندر مجھ سے زیادہ دوسروں کی کمزوریوں پہ نظر رکھنے کی عادت بھی ہے۔ تمہاری کمزوری کیا ہے؟“

”اگر اسے دھوڑنا اتنا آسان ہوتا تو میں تمہارے ساتھ کام نہ کر رہا ہوتا۔“ پھر اس نے رخ موڑ لیا۔ ”تمہاری نیلوفر حاتم ادھر آ رہی ہے۔ ساتھ الماس بھی ہے۔ میں اندر چار باہوں۔ میرے پیچھے مت آؤ۔“

تبصرہ کر کے وہ آگے بڑھ گیا۔

پیچھے نیلوفر اور الماس چلتی آ رہی تھیں۔ نیلوفر اپنی دوستوں کے صدمہ میں غرق ہو چکی تھی۔ البتہ الماس پونی والا سر جھکائے فون پر ٹائپ کرتے ہوئے قدم اٹھا رہی تھی۔

”یہ تار بجی مندر استے یاد نہیں رکھے ہائیں گے جتنی تم یاد کی جاؤ گی نیلوفر!“

ان عورتوں کا گروہ چالہ کے قریب ہی رک گیا تھا۔ کسی ایک نے خوش آمدی انداز میں نیلوفر کو سراہا تو اس کی گردن فخر سے مزید بلند ہو گئی۔ سرخ کوٹ اور ڈریس سینٹ میں بلبوس تک سب سے تیار نیلوفر نے مسکرا کے اس عمارت کو دیکھا۔

”میرے پاس صوفیہ رومن سے بدل لینے کے بہت طریقے تھے۔“ وہ غصے سے گردن اٹھائے کہہ رہی تھی۔ اس کے بلو ڈرائی شدہ ہال ہوا سے پیچھے کاڑھ ہے تھے۔ ”میں اس سے پیسے لے سکتی تھی اس کی مخالف پارٹی میں شامل ہو کے اس کے خلاف تقریریں کر سکتی تھی، مگر نہیں...“

اس نے مسکرا کے اپنے گرد آواز صورت کمزری عورتوں کو دیکھا۔

”میں کچھ بھی کرتی اس کا اثر چند دن میں ختم ہو جاتا کیونکہ اپنی ذات پہ لگنے والا الزام لوگ برداشت کر لیتے ہیں مگر میرے جوئے آپ کی عزت پہ حرف آئے تو لوگ اس کھنڈر جیسے بن جاتے ہیں۔“

الماس نے فون سے سر اٹھایا اور مسکرا کے گفتگو میں حصہ لیا۔

”جو کتاب میری ماما نے لکھ دی ہے، الماس کا اثر صوفیہ دہلی کی سات فصلوں تک جائے گا۔ تصور کریں، کتاب شائع ہوگی اور دوسری عہدہ الماس کے بیڈروم بیکرٹ بریچے بڑا، منسل اور چیز اسی تک پڑھ لے گا۔“ وہ مظلوظہ انداز میں عورتوں کے گرد سے کہہ رہی تھی۔ تالیہ چپ چاپ کھڑی من رہی تھی۔

”صوفیہ کو افس لے جانے والا ڈراما خود روز جن خاموش نظروں سے دیکھے گا۔۔۔ وہ پار لیمان آئے گی تو اس کی بیٹھ پیچھے سیاستدان سرگوشیوں اور معنی خیز مسکراہٹوں سے جو کہیں گے۔۔۔ اس کی چچیاں اسکول جائیں گی تو کیت کے چچا اسی سے لے کر اسکول کے بچوں تک سب ان کو یہ بتائیں گے کہ تمہارا ماما یہ لور یہ کیا کرتا تھا۔“ وہ ایک نقشہ کھینچ رہی تھی۔

”کہتے ہیں انتقام وہ دہش ہے جس کو جتنا ٹھنڈا کر کے پیش کیا جائے اتنا بہتر ہوتا ہے۔“

قریب میں چند سیاحان کی باتیں سننے تک گئے تھے۔ مجمع ٹکٹے دیکھ کے نیلو فر نے آواز مزید بلند کی۔

”میں سوچ رہی ہوں کہ ہر سیاستدان کے حق میں یا خلاف ایک ایک باب شامل کروں، مگر ان کو پہلے سے مطلع کروں تاکہ وہ یہ فیصلہ کر لیں کہ ان کو برا سا تھو دیتا ہے۔ یا۔۔ (ٹٹکیوں سے تالیہ کو دیکھا) یا میرے خلاف چلنا ہے کیونکہ اس وقت ان سب کی عزت میرے ہاتھ میں ہے۔“

قریب کھڑے ایک عمر آدی نے کانوں کو دوہار بھرا۔

”عزت ذات خدا کے ہاتھ میں ہوتی ہے محترمہ۔ اس کو انسانوں کو اپنے ہاتھ میں نہیں لینا چاہیے۔“

”جب ایک ماہ بعد میری ماما این این اور نی بی بی پی بیٹھ کے اعزہ ہند دے رہی ہوں گی تا مسز تو آپ کو معلوم ہو گا کہ ہمیں کسی کی عزت کو ذات میں بدلنے کے کتنے حربے آتے ہیں۔“ الماس تھکی سے سچا کر کے بولی تو وہ آدی سر جھٹکتے ہوئے آگے بڑھ گیا۔

تالیہ ابھی تک خاموش کھڑی ان دونوں کو دیکھ رہی تھی جو عورتوں کے حشر میں کھڑی موچی گردنوں سے چھوٹی باتیں کر رہی تھیں۔

اب تک تالیہ کو لگتا تھا کہ وہ پیسے اور انتقام کے لیے یہ سب کر رہی ہے اور اندر سے وہ دیکھی ہوگی، اسے تکلیف بھی ہوگی، مگر اسے اب اندازہ ہوا تھا کہ نیلو فر یہ سب لطف اٹھاتے ہوئے کر رہی ہے۔ جیسا اس نے وہاں قاتل کے بارے میں بھی ایک باب شامل کر لیا تھا۔ جب کتاب آئے گی تو اس کے نازیبا اثرات ہر جگہ شو میں دہرائے جائیں گے۔ قاتل کے بچے سٹیں گے۔ صوفیہ کی بیٹیاں دیکھیں گی۔ بڑے لیڈرز کا مسئلہ یہ ہوتا ہے کہ وہ ایسی چھوٹی عورتوں کو براہ راست جواب نہیں دیا

کرتے۔ اور یہ مورخیں اسی چیز کا قاتلہ اٹھا کے چند دن تک ان پہ کچڑا چھاتی رہتی ہیں۔ صوفیہ اور فاتح دونوں کی فیملیز کو یہ کچڑ چپ چاپ برداشت کرنا پڑے گا۔

وہ دونوں ابھی تک بول رہی تھیں مگر تابیہ سے مزے نہیں سنا گیا۔ وہ مڑی اور کھنڈر کی طرف بڑھ گئی۔  
براہمہا قدم بوجھل ہو رہا تھا۔

لوگوں کا رش بڑھ رہا تھا۔ سورج کی چمک تیز ہو گئی تھی۔

تابیہ تیز چلنے لگی۔ اس کے ماتھے پہ پسینہ آنے لگا تھا۔

سرما کی دھوپ بہت شدید تھی۔

وہ جلد از جلد اندر جا کے پناہ ڈھونڈنا چاہتی تھی۔

وہ نیلوفر کو جانتی تھی۔ اگر اس نے فاتح کے بارے میں کوئی باب لکھا تھا تو اس میں تابیہ کا ذکر بھی ہو گا اور جن الفاظ سے ہو گا۔ کیا اس کے بعد وہ اسی عزت سے بنی امین کے آفس ہاؤس کی؟ وہ سب اس کو کبھی عورت سمجھیں گے؟ الزام لگانے والا بکسے ثبوت نہ دے! لیکن وہ لوگوں کے دلوں میں اپنی بات دہرا دہرا کے ضرور بٹھا دیتا ہے۔ یا اللہ... اس کی اتنے بیٹیوں کی کمالی عزت اب واقعی ایک عورت کے قہقہ کی جتان تھی؟

کھنڈر باہر سے یوں تھا جیسے طویل برآمدہ ہو جو ستونوں کی مدد سے کھڑا ہو۔ وہ گم مسمی اس کی دیواروں کو دیکھنے لگی جو مختلف تھیں۔ وہاں پتھروں میں Carving کے ذریعے تصویری کہانیاں رقم کی گئی تھیں۔ مگر تابیہ کو ان کی سمجھ نہیں آ رہی تھی۔  
اس کا دم گھٹنے لگا تھا۔ وہ ستونوں کے درمیان سے گزرتی آگے بڑھنے لگی۔

(دولت اسے کہتا تھا کہ اس کی عزت حکومت کے ہاتھ میں ہے۔)

ستون بہت سے تھے اور ایسے لگتا تھا کہ کسی ختم نہیں ہوں گے۔

(اگر وہ صوفیہ کا کام نہیں کرے گی تو وہ اس کے جرائم کو سرعام کر کے اسے سوا کر دیں گے۔)

دیواروں پہ تصویریں ہی تصویریں تھیں۔ قدیم مصری ہاشمخو کے خاکے "جو ایک دوسرے کو کھکھہ کہتے دیکھائی دیتے تھے"۔  
فرعونوں کے خاکے۔ مختلف علامتیں۔ نشانیاں۔ پتلیاں۔

(اور اگر وہ کتاب ندوک کی تو نیلوفر اس سے دوبارہ سرائی کے ہات کرنے کا خطرہ چھین لے گی۔ اس کی عزت ہر طرف سے محروم ہوتی تھی۔)

اس نے گردن اٹھائی اور چہرے کو دیکھا۔ وہ تصویری کہانیاں چہرے پہ بھی نقش کی گئی تھیں۔ فرعونوں کی داستانیں۔ قدیم

زمانے کا سحر.... یا شاید... کوئی ملعون سا اثر تھا۔

اس کو وہ آواز پھر سے سنائی دینے لگی۔۔۔

تھیلے جوتوں سے فرش پر چلنے کی آواز... اٹھتے قدم... ایک... دو.....

(میرے پیچھے مت آنا۔ میں اندر جا رہا ہوں)

اور اس سب میں۔۔۔ بس منظر میں اس کی آواز کوئی تھی۔

وہ جہاں تھی وہیں کھڑی رہ گئی۔

جہاں نے مندر میں آنے کے بعد یہ بات تین دفعہ کہی تھی۔

وہ بوٹی کہہ رہا تھا یہ جہاں سکندر کی کوئی اور پہیلی تھی!

وہ تیزی سے اندر کو بھگی۔

زرد رشتہ حال دیواروں سے نئی رہبریاں اندر کو جاری تھیں۔۔۔ یوں جیسے وہ کسی زبردست شہر میں آگئی ہو۔

امداد صبراً تھا اس لئے جگہ جگہ مشطیں روشن تھیں جو راستہ دکھاتی تھیں۔

قدیم ملاک کا تاثر... اس کا خوف... دی ملعون سی لٹھا۔

وہ توحش سی ادھر ادھر دیکھتی رہا دیواروں میں آگے بڑھ رہی تھی... اور پھر.....

یکے بعد دیگرے وہ گارڈز کی آواز آئی۔ وہ جہاں تھی وہیں شدید کھڑی رہ گئی، پھر اگلے ہی لمحے آواز کی سمت دوڑی۔

ایک کمرے میں جہاں کسی فرعون کی قبر تھی! بہت سے لوگ موجود تھے۔ یہ نیلو فراد اس کی خواہشیں کا گروہ تھا۔ کانپڑ بکا بکا

کھڑا تھا، خواتین چیخ و پکار کر رہی تھیں اور نیلو فراتھنوں کے بل نیچے پٹھمی تھی۔ سینے پہ ہاتھ تھا اور چہرہ سفید پڑ رہا تھا۔ الماس اس

کے کندھے پہ ہاتھ رکھے ششدر سی کھڑی تھی۔

”کیا ہوا؟“ وہ حواس باختہ سی اندر آئی۔

”معلوم نہیں کون تھا... مگر اس نے ہسپتال اندر کیا اور گارڈ کنٹرول دیا۔“

”وہ نیلو فر کا نشانہ نہ لے رہا تھا۔ شکر کہ وہ بروقت نیچے ہو گئیں۔“

”کون تھا؟ کسی نے اس کو دیکھا؟“

”نہیں۔“ نیلو فر نے ہنر صبری کے کڑھائی میں سر ہلایا۔ ”مجھے صرف اس کا ہسپتال چوکٹ سے نظر آیا۔“

”ماما...“ الماس سفید چہرے کے ساتھ براہ راست ہی بولی۔ ”صوفیہ! تمہیں... آپ کو مردانے کی کوشش کر رہی ہے۔“

وہ دھجک تھی۔ اور گروڈکٹرے لوگ بھی خواہاں نہ تھے۔ کوئی پولیس کو کال کر رہا تھا، کوئی ادھر ادھر بھاگ رہا تھا۔  
 ”ہا اکل۔ یہ صوفیہ ہی ہے۔“

نیلو فرانس کا سپر ایئر کرائی اور لباس پہن گئی جھاڑی۔ چہرہ سفید تھا مگر بدقت اس نے گردن کڑائی۔

”وہ سمجھتی ہے کہ مجھے مراد ہے کی تو کتاب نہیں چھپے گی۔“ نیلو فرانس نے نظر سے چمکتے ہوئے کڑی تالیہ سے ٹپٹپٹا کر نیلو فرانس کو بولی۔  
 ”آپ ٹھیک ہیں نیلو فرانس؟“

نیلو فرانس نے فق رنگت سے اثبات میں سر ہلایا۔ ”تم نے خود دیکھا صوفیہ کیسے میری جانی دشمن بنی ہوئی ہے۔“ اس نے تالیہ سے تالیہ جاتی تھی۔

”ہا اکل۔ یہ تو حد ہو گئی ہے۔“ وہ جلدی جلدی کہہ رہی تھی۔ اس کا دماغ تیزی سے کام کر رہا تھا۔ ”مجھے صوفیہ نے غلطی سے اس بے وقوفی کی توقع نہ تھی۔ اب وہ آپ کو مراد بھی دیں تو کتاب چھپ ہی جاتی ہے۔ یعنی جب کتاب آپ کے گھر سے ہلشہر کے پاس چلی گئی ہے... تو آپ کو مراد ہے سو ہے؟“

اس نے نیلو فرانس کے چہرے پر پہلے کہیں بات کا حال دیا۔ ابھی تک ہر جگہ نیلو فرانس نے یہی غائب کیا تھا کہ اس کی کتاب کوئی گورا ہلشہر چھاپ رہا ہے۔

”ہاں۔“ نیلو فرانس نے بدقت اس صواب پہ قابو پاتے ہوئے کہتا تھا۔ ”اسا اہستہ ہا اکل کم صم کڑی تھی۔ لوگوں کا رش بدستاد دیکھ کے تالیہ دھیرے سے دہاں سے ہٹ گئی۔ اس کا رخ بندر گاہ پہ کڑی کر دے کی جانب تھا۔

”کیا ایک دفعہ تم کوئی قدم اٹھانے سے پہلے مجھ سے مشورہ لے سکتے ہو؟ ایک دفعہ؟“

وہ اپنے کمرے کا دروازہ دھماکے سے کھولتی اندر داخل ہوئی تو حسب توقع وہ صوفیہ پہ ٹانگ پہ ٹانگ جمائے آرام سے بیٹھا تھا۔ اسے دیکھ کے سر اٹھایا۔

”جیس۔“

وہ دونوں ہاتھ پہلوؤں پر رکھے ٹپے سے حق فن کرتی اس کے سامنے تری۔

”جیس اس پہ کوئی چلانے کی کیا ضرورت تھی؟“

”ساکن۔ لڑینپ۔ جم۔ وہ ہلٹکس تھے۔“

”مجھے پتہ ہے وہ ہلٹکس تھے مگر تم کم از کم مجھے اسی میں تو لے سکتے تھے۔“

جواب میں صوفیہ نے پیٹنے آدھی نے سادگی سے مسکرا کے اسے دیکھا۔

“I like surprises.”

تایہ نے بے بسی سے اسے دیکھا۔ پھر سامنے والے صوفے پر آکے بیٹھی اور مگر اسانس لایا۔

”لو چھو سکتی ہوں کہ اس کا مقصد کیا تھا؟“

”تم کروڈ شپ میں بور ہو گئی ہو۔ میں تمہارا غم بچار ہاتھ اب یہ کون جلد عمل ہو سکے گا۔“

”تم... تم میرے پان کے مطابق کیوں نہیں چلتے؟“ وہ زچ ہو گئی تھی۔ ”کبھی تم الماس سے میری برائی کر دیتے ہو... کبھی تم پہلوں میں بگ ڈال کے ان کو بھیج دیتے ہو جو فوراً پکڑا جاتا ہے اور...“ بولنے بولنے وہ رکی۔ چونک کے اسے دیکھا۔ ”تم چاہتے تھے کہ وہ بگ پکڑا جائے۔ ہے نا؟“

وہ کچھ نہیں بولا۔ صرف مسکرایا۔

تایہ نے کراہ کے آنکھیں بند کیں۔

”تم نے جان بوجھ کے اسے lousy مٹر تھے سے بگ بھیجا تھا۔ تم یہ دیکھنا چاہتے تھے کہ کون اس کو پکڑتا ہے۔ کون ہے جو نیلوفر کی ٹیم کا شہیار لٹھا ہے۔“ پھر فحشی سے اسے دیکھا۔ ”مگر مجھے یاد پڑتا ہے کہ بگ پکڑے جانے پر تم اتنے خامے شرمندہ بھی تھے۔“

وہ اسی انداز میں مسکراتا رہا۔

”مجزیں وہ نہیں ہوتیں جیسی وہ دکھائی دیتی ہیں تا یہ حاتم۔ تم مجھے ناخانی جان سکتی ہو جتنا میں چاہوں جیسے میں چاہوں۔“

پھر کرائی پہ بندھی گزری دیکھی۔ ”الماس کو کال کرنے کا یہ بہترین وقت ہے۔“

طویل ٹھنکی کے بعد فون اٹھایا گیا تھا۔ الماس کی آواز سے لگتا تھا کہ اسے سانس چڑھی ہوئی ہے۔ ”جی زیپ؟“

”الماس جیم... صبح بخیر۔ مجھے مترجم کے بارے میں بات کرنی تھی۔“

”ہاں جی۔ کیا فائل ہو مترجم سے؟“

”وہ کل سے کام شروع کر سکتی ہے۔ لیکن تاخیر کی تو وہ ترجمہ نہیں کرے گی۔ دوسرے کسی مترجم پر مجھے اتنا بھروسہ نہیں ہے۔ اگر میرے پاس مسودہ ہوتا تو میں کل یہ کام شروع کر دیتی لیکن...“ وہ سوگوار عیت سے کہہ رہی تھی۔ ”مجھے نہیں لگتا کہ ہم وقت پر اس کتاب کا ترنسلہ ترجمہ لاسکیں گے۔ شاید آپ کے انجیشن کے بعد...“

”زیپ... بات سنیں۔“ الماس چمکے شخص کے درمیان قطعیت سے بولی۔ تا یہ نے پلکیں اٹھا کے جہاں کو دیکھا جس

نے ہونٹ گول کر کے زیر لب کہا تھا۔ ”Told you!“

”زینپ اگر آپ ایک نان ڈسکلوژرا مگر سینٹ اور کانٹریکٹ بنا کے اس کو notarized کروائیں اس چاہئے اور اپنے پاس کے سائن لین ساتھ میں اپنے اور پاس کے پاسپورٹ کی کاپیز منج کر کے مجھے بھیج دیں تو میں مسودہ آپ کو تری آنے سے پہلے دے دوں گی۔“

”اوہ... وہ تو میں کروں گی الماس لیکن یہ کنڈاٹ فیڈائیکس کرنے میں بھی وہ سے تین دن۔۔۔“

”آپ فیڈائیکس مت کریں۔ ہم ویسے بھی کروڑپ ہیں۔ آپ مجھے ان کی scanned کاپی بھیج دیں۔ میں آپ کے دھتلا شدہ کنڈاٹ دیکھ لوں تو مسودہ آپ کے حوالے کروں گی۔“ وہ ہتھوڑی سے کہہ رہی تھی۔

تالیہ مراو نے مکمل کے گہری سانس لی۔ ”ؤن۔ میں شام تک ڈاکومنٹ نوٹرائزڈ کروا کے بھیجی ہوں۔ چند گھنٹے لگیں گے۔ مگر حرجم نے آنا ہے اور۔۔۔“

”صبح سے پہلے مسودہ آپ کے ڈائیکپ ہو گا۔“ وہ قلیعت سے بولی تھی۔

کال ختم ہوئی تو چند لمبے دو دم سادھے ہنسی رہی۔ مسکراہٹ بھی یوں چہرے پر ثبت تھی جیسے وہ مسکراتے ہوئے برف کاہت بنی ہو۔ پھر بے اختیار اس نے سینے پر ہاتھ رکھا۔ برف کے ٹھسے کا دل زدور زور سے دھڑک رہا تھا۔

”اوہ مائی گا۔۔۔ وہ بلن گئی۔۔۔ فائنلی۔۔۔ فائنلی۔۔۔ کتاب ہمارے ہاتھ لگنے والی ہے۔“ وہ بدقت بول پائی۔

”اس کی جان کو خطرہ ہے۔ وہ اس کتاب کا بوجھ مزید نہیں اٹھا چا تھی۔ وہ ابھی فور اتویٹ کر کے دنیا کو بتائے گی کہ کتاب وہ ایک سے زیادہ پبلشرز کو بیچ رہی ہے تاکہ اس کی جان لیا صوفیہ کے لئے بے سود ہو۔“

”ہاں مگر اس پر کوئی چالانہری بات تھی۔ میں آتشیں اسلئے کے ہاتھ کبھی کام نہیں کرتی۔“

”اسنے لمبے مکالمے مت یو لو اور کانٹریکٹ کا سوچو۔ ایک ترش قانونی اعتبار سے فول پروف کانٹریکٹ تمہیں کوکل پر نہیں ملے گا۔“

جواب میں تالیہ نے چہرے پر خوش آمدی مسکراہٹ سہائی اور آگے سوئی۔

”تھیک یو۔ جہاڑی وجہ سے کام بہت آسان ہوا۔ اچھا سنو۔۔۔ تم کسی ٹرک دیکل کو کھانتے ہو گے جس میں کانٹریکٹ بنا دے؟“

”ڈونٹ بی کیوٹ۔ میں کبھی تری نہیں کیا۔ ہور میں کسی ٹرک دیکل کو نہیں جانتا۔“ رکھائی سے کہہ کے وہ اٹھ کھڑا ہوا۔ ”کانٹریکٹ تم خود بناؤ گی۔ یہ جہاڑا مسئلہ ہے۔ باقی اس پر فوری کی مہر“ تبعلی دھتلا پاسپورٹ کا بیڑ وہ میں ہالوں کا۔ مگر کانٹریکٹ میں کیا لکھنا ہے یہ جہاڑا مسئلہ ہے۔“



پل بھر میں وہ ازلی بے نیاز انسان بن چکا تھا۔ یہ کندھے اچکائے اور پیدھاں سے نکل گیا۔ تالیہ نے مصنوعی خوش اخلاقی ترک کر کے فنگلی سے اسے جاتے دیکھا تھا۔

ایک دن کے اندر ٹانہ پایا کا ٹریکٹ اسے صرف ایک شخص سے مل سکتا تھا اور اس شخص کو کال کرنے کے لئے اپنی اپنا پھر رکنا ضروری تھا۔

”وہ ٹیکم السلام ہے تالیہ۔۔۔ آپ کی ناراضی ختم ہو گئی؟“

وہ جہاز کے عرشے پہ چھٹی مصنوعی گھاس پہ کھڑی تھی۔ فون کان سے لگا رکھا تھا اور ماتھے پہ ہل تھے۔ شب بھر سے چل پڑا تھا اور تیز ہوا اس کے بالوں کو پیچھے کی طرف اڑا رہی تھی۔

”مجھے نہیں معلوم۔“ وہ فنگل سے اعزاز میں بولی۔ ”جتنے گلے مجھے تم سے ہیں اسنے ہی تمہیں مجھ سے ہیں۔“

”مجھے آپ سے کوئی گلہ نہیں ہے۔ بلکہ میں معافی چاہتا ہوں۔ آپ کے لئے مجھے اس سے زیادہ کرنا چاہیے تھا مگر میں واقعی سمجھا تھا کہ آپ ٹھیک ہیں اور اپنی مرضی سے حکومتی اصرار کے ساتھ ہیں کیونکہ آپ دان فارع کو وہ ٹھیک بھیج رہی تھیں اور۔۔۔“

”ایک منٹ۔ ایک منٹ!“ سنہری دھوپ میں کھڑی تالیہ کی آنکھیں الجھنے سے پھوٹی ہوئیں۔ ”کون سے ٹیکس؟“

”نہیں مجھے گلہ کرنے کا کوئی حق نہیں ہے۔ آپ میرے اظہارِ یوز نہ دیکھیں میری بک لالچ میں شرکت نہ کریں۔“

میرے۔۔۔“

”چھوڑو اپنے ہمنوں کو۔ مجھے بتاؤ کون سے ٹیکس؟“ وہ ایک دھفون میں دھمازی۔ ایڈم لمبے بھر کو بکا بکا رہ گیا۔ اس کا انداز بکا بکا قدیم ملا کہ کی شہزادی دھا ہو گیا تھا جو شاہی مورخ کا ہاتھ کٹا سکتی تھی۔

”وہ۔۔۔ وہ آپ ہر روز دان فارع کے گھر ٹیک بھیجتی ہیں نا۔“

”نہیں ایڈم۔ میں ان کو کیوں ٹیک بھیجوں گی؟“ وہ چوکی۔ ”کوئی میرے نام سے ان کو ٹیک بھیج رہا ہے کیا؟ تمہیں کیسے

معلوم؟“

”ہمیں شک تھا کہ آپ کم از کم دان فارع سے رابطے کی کوشش کریں گی اور تحقیق کروانے پہ پتہ چلا کہ آپ ان سے ٹیکس کے ذریعے رابطے میں ہیں۔ چھٹی تو ہمیں لگا کہ آپ ٹھیک ہیں۔“

”اور تم نے یقین کر لیا؟ کوئی کسی کے نام سے کچھ بھی جھگڑا سکتا ہے آج کل۔“

”نہیں۔ ذاتن نے چیک کیا تھا۔ آپ کے کریڈٹ کارڈ سے آرڈر لیں ہوا تھا۔ اور ہر روز آپ نیا آرڈر کرتی تھیں۔ کیا یہ آپ نے نہیں کیا؟“ وہ خود بھی پریشان ہو گیا۔

”آف کورس نہیں۔ شاید یہ دولت صاحب کی کوئی چال ہو۔“

”سسر مصرہ نے نوٹیت بھی کیا تھا ایک دن آپ کا ٹیک۔ آپ کا نام لکھ کے۔ آپ نے نہیں دیکھا؟“

”مصرہ.... یہ ضرور مصرہ یقین کا کوئی چکر ہے... اور اس نے مجھے نوٹ سے ہلاک کر رکھا ہے۔ میں دوسری آئی ڈی سے دیکھ لیتی اگر مجھے مصرہ کو شک کرنے میں دلچسپی ہوتی۔“ اس کے ماتھے پہ ٹکٹیں پڑ گئی تھیں۔ ”سنو... تم راتن سے کہو وہ ان ٹیکس کوڑیک کرے اور....“

”جے تالیہ آپ کو راتن سے خود بات کرنی پڑے گی کیونکہ آپ تعلقات درست کیے بغیر پہلے جیسے رواد کی توقع نہیں کتیں۔“ وہ قطعیت سے بولا تو وہ چپ ہو گئی۔ چند لمبے کے لیے اسے سب بھول گیا تھا۔

”مگر میں اپنے طور پہ معلوم کرنے کی کوشش کرتا ہوں کیونکہ مصرے اور آپ کے تعلقات میرے خیال میں درست ہو چکے ہیں۔“ وہ شاید مسکرایا تھا۔

وہ مسکرائی نہیں۔ مگر اسے قسم بھی نہیں آیا۔ بس اور اسی سے دور تک سانپ صورت پھیلے نیلے دریا کوڑیکھے گئی۔

”جے تالیہ۔“ اس کی خاموشی پہ وہ سادگی سے بولا۔ ”کیا سنہ درست ہم سے زیادہ اچھے ہیں؟“

”وہ تو میں نے یونہی کہا تھا۔“ جلدی سے بولی اور ادھر ادھر دیکھا۔ شکر وہ پیچھے نہیں کھڑا تھا۔

”لو کے۔“ وہ جیسے مسکرایا تھا۔ ”میں ٹیکس کاراز پڑھتا ہوں۔ اور آپ....“

”ایم مجھے وہ کانٹریکٹ چاہیے جو ترکش بجنہی نے تمہیں بھیجا تھا۔ وہ تمہارے پاس ہو گا ای میل میں ہے نا؟“ وہ تیزی سے بولی تو ایم نے بھر کو چپ ہو گیا۔

”تو آپ نے مجھے کام کے لئے فون کیا تھا؟“

”ظاہر ہے کام کے لئے کیا تھا ورنہ تم اچھے انٹرٹنگ انسان نہیں ہو جو کوئی تمہیں کپ شپ کے لیے کال کرے۔“

وہ جمل کے بولی تو وہ ہلکا سا ہنس دیا۔

”کام بھی انہی کو کہا جاتا ہے جن پہ مان ہوتا ہے۔ میں اسی پہ فون ہوں۔ کانٹریکٹ ای میل کر رہا ہوں۔ یہ میری پہلی ای میل ہوگی جو اتنے عرصے میں آپ پڑھیں گی۔“

(ای میلو۔) وہ چونگی تھی۔ ایم نے فون بند کر دیا تھا اور تالیہ... وہ پول کے کنارے ایک چیز پہ آٹھنٹی اور اپنی ای میل کھولنے لگی۔ ویلیڈ فولڈر میں تمام ای میلز موجود تھیں جو اتنے دن سے وہ منائے جا رہی تھی۔ اس نے پریشانی اور اداسی کے ملے جلے ہنر ہاتھ کے ساتھ ان کو کھولا شروع کیا۔

واقعہ اسے بتا رہی تھی کہ وہ اس کے لئے فخر مند ہے۔ مگر اس نے معلوم کیا ہے کہ وہ ان فاتح کو یک بھیجتی ہے، یعنی وہ ٹھیک ہے۔ لیکن وہ واقعہ سے رابطہ کیوں نہیں کر رہی؟ اس کی برائی میں انہی اس سوالوں سے پر تھی۔

ایم بھی انہی ٹیکس کی بات کر رہا تھا۔ وہ اسے اپنی کامیابیاں بھی بتا رہا تھا۔ یہ بھی کہ فاتح اس کے گھر جاتا تھا۔ اور یہ بھی کہ ایم اسے اپنی زندگی میں واپس دیکھنا چاہتا ہے۔ وہ کب آئے گی؟

اور فاتح... اس کی امی میلو کم تھیں اور مختصر بھی اور ان میں یہی ایک بات تھی۔ کہ وہ اسے ٹیکس کیوں بھیجتی ہے؟ یہ کوئی ناراضی ہے؟ یا فیصہ کا اظہار؟ وہ بغیر بتائے ملک سے باہر چلی گئی کیوں؟ وہ اس کی واپسی کا منتظر ہے۔ اور وہ اسے مزید خط نہیں لکھے گا۔ مگر وہ یہ ضرور چاہتا ہے کہ وہ صوفیہ کی کسی بات کا اعتبار نہ کرے۔ صوفیہ دینا سزا عورت نہیں ہے۔

دو پہر اس کے گرد تھم رہی تھی اور وہ سہرا کی دھوپ میں جہاز کے عرشے پہ گم غم سی بیٹھی تھی۔

وہ ان امی میلو کو اس لئے نہیں پڑھنا چاہتی تھی کہ وہ اس کا دل موم کر دیں گی۔ پیچھے رہ جانے والوں سے بندھی دور اسے ایک دفعہ پھر کمزور کر دے گی اور وہ اپنے کام پہ فوکس نہیں کر پائے گی۔ مگر انہیں پڑھنے کے بعد دل تو کیا روح تک اس ہو گئی تھی۔

اسے یہ امی میلو نہیں پڑھنی چاہیے تھیں۔ اسے پیچھے والوں سے ابھی تک ناراض رہنا ہے۔ اسے ان کی کوئی بات نہیں سننی۔ تالیہ نے کانٹریکٹ جہاں کو فارورڈ کر دیا اور پھر چیز کی پشت سے ٹپک لگائی۔ اوپر جھڑکی تھی جہاں سے تیز دھوپ سے بچا رہی تھی۔ اس نے بیٹ چہرے سے پردہ کے آنکھیں موند لیں اور خود کو غینہ کے دریا میں اترنے دیا۔... نیچے... نیچے... پانی اس کے کندھوں تک آ گیا۔ اور پھر سر کے اوپر۔۔۔

وہ سہرا کی دھوپ میں سو چکی تھی۔

اس کے خواب جب سے تھے۔ گزشتہ دنوں کے تمام واقعات ان میں دکھائی دے رہے تھے۔

نیلو فراماس 'دولت... وہ ٹیل... اور پھر یکا یک منظر بدلے۔۔۔

کلوی کا فرش تھا۔ اس پہ دو سفید جوتوں میں متغیر نظر آرہے تھے۔۔۔ کالے ریز کے جوتے۔۔۔ جو گیلے تھے۔۔۔ فرش پہ ارد گرد پانی کے قطرے بھی گرے تھے۔۔۔ داہنے جوتے کے نیچے پہ کمان صورت کھڑی بنا تھا۔۔۔ زخم پرانا تھا۔۔۔ اور وہ جوتے نیچے کو اٹھ رہے تھے۔۔۔ گیلے جوتوں سے جیس جیس کی توازیں آ رہی تھیں۔۔۔

ایک ہلکے سے اس کی آنکھ کھلی۔ بیٹ نیچے جا گرا۔ وہ چیز پہ سیدھی ہو بیٹھی۔

اس نے نہیں دیکھا کہ بیٹ کو ہوا کا تیز جھونکا اڑا کے سوخا ٹپک پل پہ لے جا کے خنک رہا ہے۔ وہ بس عجیب خوف کے عالم

میں اٹھی اور پیچھے جاتے رہنے کی طرف لگی۔

وہ ان بیروں کو پہچانتی تھی۔۔۔ وہ ان جوتوں کو بھی پہچانتی تھی۔۔۔

وہ تیز دھوپ سے اندر نہ پنے کی طرف آتی تھی تو یہاں اندر برا سا تھا۔ بصارت کو ایڈ جسٹ ہونے میں کچھ دیر لگتی تھی۔ تالیہ نے اندر جا دھندلے پنے اترنے چاہا ہے۔ پھر کوٹھوکر آئی اور وہ منہ کے بل آگے کو گری۔

بروقت ریجنل حکام ملی مگر چوٹ لگ چکی تھی۔

وہ وہاں نہ پنے پہنچتی چلی گئی اور دائیں پھر کواٹھلے کے دیکھا۔

ٹھٹھے پر بینک کے کسی نوکیلے حصے سے کٹ لگ گیا تھا۔

سرخ کمان کی صورت کا کٹ۔ اس میں سے خون رس رہا تھا اور وہ بے بسی سے اسے دیکھ رہی تھی۔

برزخم پہ کمر بڑھتا ہے۔ چند دن میں اس پہ بھی بن جائے گا۔ اور پھر؟ پھر کیا ہونے چاہا تھا؟

☆☆=====☆☆

سہ پہر اتر رہی تھی اور وہ چپ چاپ اپنے کمرے کی گول کھڑکی کے آگے سونے پہ بیٹھی تھی۔ دائیں پھر پہ پٹا بندھی تھی۔ اور چہرہ بے تاثر تھا۔

سامنے پٹی کیپ والا آدی لیپ ٹاپ کو دیکھ کر کچھ میٹھا کیڑا نہیں کرتے ہوئے کہہ رہا تھا۔

”یہ کانٹریکٹ کافی اچھا تھا۔ اس میں جو قانونی طرز کی ترک اصطلاحات استعمال کی گئی ہیں وہ ہم خود سے نہیں بنا سکتے تھے۔“ کہتے ہوئے اس نے اسکرین سے نظر اٹھا کے تالیہ کو دیکھا۔ وہ گھم مسمی بیٹھی تھی۔ نظریں اپنے زخمی پھر پہ تھیں۔

”tetnus ثابت لگوا یا تھا؟“

تالیہ نے نظریں اٹھا نہیں اور سر کا ثابت میں جنبش دی۔ بولی کچھ نہیں۔

”کانٹریکٹ کو میں نے edit کر دیا ہے۔ اس کے منبج بنا کے کنارے پہلے کر دیے ہیں تاکہ یہ scanned تصاویر

لگیں۔ زینب اور مولوت بے کے دستخط بھی دستکمال کیے ہیں مگر یوں لگتا ہے کہ ہاتھ سے کیے ہوں۔“ وہ فخر سے بتا رہا تھا۔

تالیہ نے پھر سے اپنے پھر کو دیکھا۔ (ایسا زخم کتنے دنوں میں کمر بڑھ میں تبدیل ہوتا ہے؟)

”میں نے دونوں دستخط نیلے رنگ میں کیے ہیں مگر ایک ہال پوائنٹ والے رائل بیو اور دوسرے کو ڈارک بیو میں کیا ہے۔

لنری ایجنسی کے دوا ہم عہدہ ار اب ایک ہی قلم تو استعمال نہیں کریں گے۔ اور ہاں۔۔۔ دونوں دستخطوں میں سیکنڈ نیم بڑے

حروف میں لکھا ہے کیونکہ ترک اپنا دوسرا نام (سرنیم) بیش بڑے حروف میں لکھتے ہیں۔“

وہ اسی طرح چپ چاپ بیٹھی رہی تو اس نے لیپ ٹاپ پر دیکھا اور آگے ہو کے بیٹھا پھر فوراً اس کی آنکھوں کو دیکھا۔  
 ”ٹھیک ہے۔ تم میرے کام کی تعریف نہ کرو۔ مجھے پتہ ہے تم میری غیر موجودگی میں یہ کام کرو گی، لیکن کوئی مسئلہ ہے کیا؟“

”یہ میرا PTSD نہیں ہے۔“ وہ اپنے رنجی سر کو کچھ دھکیلی۔

”ہر PTSD کا شکار شخص بھی سمجھتا ہے۔“

”نہیں۔“ اس نے چہرہ اٹھا کے جہاں کو دیکھا اور قطعیت سے نلی میں سر ہلایا۔ ”وہ قد سوس کی آواز جو مجھے آتی ہے... وہ میری hallucination نہیں ہے۔ وہ سب میرے ساتھ قفس آنے والا ہے۔ میرے خواب اکثر امید لاتے ہیں۔ مگر کبھی کبھی وہ وارننگ بھی ہوتے ہیں۔ مجھے لگتا ہے کچھ برا ہونے والا ہے۔“

”میری سائیکلائزٹ والی آفر ابھی تک برقرار ہے۔ فی الحال تم جاب پر فوکس کرو۔ تمہیں الماس کو یہ کنٹرولنگٹ بھیجنا ہے۔“ اس نے جتا کے یاد کرایا تو تالیہ نے سر ہلکا اور لیپ ٹاپ اٹھالیا۔

”کچھ برا ہونے والا ہے۔“ وہ جھرجھری لے کر اب ٹاپ کرنے لگی تھی۔

”تمہارے پریشان ہونے سے کیا وہ نہیں ہو گا؟“ اس نے سختی سے تنبیہ کی تو تالیہ نے سر ہلایا اور جلدی جلدی ٹاپ کرنے لگی۔ کنٹرولنگٹ اتنا مہارت سے چلایا گیا تھا کہ الماس کے پاس یقین کرنے کے سوا کوئی آپشن نہیں ہو گا۔  
 رات تک مسودہ اس کے پاس ہو گا اسے یقین تھا۔

☆☆=====☆☆

ایک اور رات نیل کے دریا پر اتاری اور مسرودہ کو ڈنکی رات قدر مزید سست چڑ گئی۔ مسرودہ کے قریب دریا میں دو تین چھوٹی کشتیاں بھی حیرتی دکھائی دے رہی تھیں۔

باہر جتنا سناٹا اور سکون تھا مسرودہ کے اندر اتنی ہی گہما گہمی اور رونق تھی۔

شب کے گراؤ پر فوراً ایک طویل رہبر داری کی صورت نکھری بنی تھی۔ وہاں تھا کہ میں شوکیس لگے تھے جن کے اندر رکے ایک ڈیجیٹل کمرے اور سوئچس قریب آتے مسافروں کو لپٹا رہے تھے۔

اس نے پنی والے پیر پر غم سلیر پہن رکھے تھے اور سر پہ لوٹی ٹوپی تھی جس سے کالے بال نکل کے گردن سے نیچے گر رہے تھے۔ وہ جہاز کے سرور ہوتے موسم کی مناسبت سے پوری تیار لگے رہی تھی۔

سردی اچانک ہی آئی تھی مگر موسم کو خوشگوار کر گئی تھی۔

”ایک چاکلیٹ بیج... ایک چاکلیٹ بون بون...“ وہ شوکیس کے اندر بچے ٹیکس کی طرف اشارہ کرتی میلز گرل سے کہہ رہی تھی۔ دو دروازے دستانے والے ہاتھوں سے اس کی پٹائی خوشنویس اور سوئیٹس لاکری میں بھرتے جا رہے تھے۔ وہ خواب ’یو کاڈنم ایڈم کی ہاتھیں... ہتھکڑیوں کے لئے وہ سب بھول کے صرف اس مسودے کو نکلیں بیٹ کرنا چاہتی تھی جو لباس اسے ای میل کرنے والی تھی۔ مسودہ مل جانے کے بعد ساری رات تالیہ نے اس کو چڑھنا ہی تھا اور اسے پڑھنے کے ساتھ ساتھ ہتھکڑیوں کے لئے بھی چاہیے تھی۔

اس کی آزادی کا ٹکٹ وہ کتاب اس کو ملنے والی تھی۔ وہ دھنسا خوش ہونا چاہتی تھی۔ وہ بھری ہوئی نوکری لئے کمرے میں پہنچی تو وہ پہلے سے اپنے مخصوص صوفے پر بیٹھا تھا۔ چاکلیٹس کی خوشبو تالیہ کے ساتھ ہی کمرے میں داخل ہوئی تھی۔ اس کی منہ تک بھری نوکری دیکھ کے جہان نے قہج سے ابد اٹھائے۔

”یہ سب تم کس لئے کی؟“

”ایک آدھ جیس تم بھی لے سکتے ہو۔ میں آج اچھے سوڈ میں ہوں۔“ فراخ دلی سے آفری اور کمرے کی سینئر ٹیبل پہ نوکری رکھی۔ پھر چیزیں نکال نکال کے ان کو پٹلیٹس میں سجانے لگی۔ چاکلیٹ کی تھک سارے کمرے کو مٹھ کر گئی۔

”کوئی مارل انسان اتنی چاکلیٹ نہیں کھا سکتا۔“

”چاکلیٹ میری پہلی محبت ہے۔ حالات نے ہم دونوں کو فاصلہ رکھنے پہ مجبور کر دیا مگر کبھی کبھی ہم روایات توڑ کے مل لیتے ہیں...“ وہ مسکراتے کہہ رہی تھی جب وہ ہاتھ کی مخصوص ٹون بجی۔ تالیہ نے جلدی سے فون اٹھا اور دھڑکتے دل سے لباس کی ای میل کھولی۔

”اس نے ایم ایس ورڈ فائل بھیجی ہے۔“ ای میل کھولنے سے پہلے سائن نظر آ گیا تو چپک کے بولی اور ای میل پڑھنے لگی۔

”ڈائریکٹریٹ۔ آپ کا کالکٹ مجھے بالکل مناسب لگ رہا ہے۔ اور ہمارے لئے یہ قابل قبول ہے۔ چونکہ آپ کو کلکٹر شروع کروانا ہے اس لئے میں نے ایک بہترین حل ۱۹۸۰ ہے۔

میں آپ کو مسودے کے پہلے پانچ ابواب بھیج رہی ہوں۔ آپ ہمارے ترکی آ نے تک ان کو ڈائریکٹ کریں۔ ہم خود آ کے کالکٹریٹ سائن کر کے پوری کتاب آپ کو دے دیں گے۔ یوں دن بھی ضائع نہیں ہوں گے۔ اور کتاب وقت پہ بھی آجائے گی۔ لباس۔“

تالیہ کی مسکراہٹ یوں غائب ہوئی جیسے اسے کسی نے تھپڑ مارا ہو۔ وہ دیکھو لے فون اسکرین کو دیکھ رہی تھی۔

ٹپلے کے جذباتی اثر سے نگل کے لباس نے ایک دانشمندانہ طے لگایا تھا اور وہ مل میز میں بھی ساری شیرینیوں کو کھڑا کر گیا تھا۔  
 ”یہ کیا؟“ اس نے ہکا بکا سا چہرہ اٹھایا۔

”ڈیم ہاٹ۔“ جہان نے زور سے بوٹ سے میز کو کھٹو کر ماری اور اٹھا۔ وہ جیسے سخت بد مزہ ہوا تھا۔  
 ”پہلے پانچ ابواب میں سے دو تو وہ پہلے ہی بھیج چکی ہے اور وہ اب نیلو فری ابتدائی زندگی کے بارے میں ہیں۔ کسی کو ان سے دلچسپی نہیں ہے۔ ہمیں درمیان اور آخر کے ابواب چاہیے تھے۔“  
 ”اب ہم کیا کریں؟“ وہ ابلیس اسکو ازون پہ آکھڑے ہوئے تھے۔

”تم یوں کرو۔۔۔۔۔“ وہ سوچ سوچ کے کہنے لگا۔ ”تم اس کو ای میل کرو اور اس کو پیار سے سمجھاؤ کہ۔۔۔ کیا کر رہی ہو؟“  
 ”مجھے بھی سربراہان زراعت سے ملنا ہے۔“ وہ نانت میں کے کتھی بیڈ فون کان پہ نگہ رہی تھی۔ اس کی رنگت گلابی پڑ چکی تھی۔  
 ”تالیہ۔۔۔ اس کو یوں کال مت کرو۔ پہلے سوچ سمجھ کے پلان کرو ناظر۔۔۔“  
 ”مشورہ مانگا ہے کیا؟“ اس نے کیز دھاتے ہوئے سرخ آنکھوں سے اسے گھورا۔  
 اس کا انداز دیکھ کے وہ احتیاطاً چپ ہو گیا۔

دوسری طرف سے لباس کا بیلو سنائی دیا۔ تالیہ نے کال اسٹیم کر پڑ لگا دی تھی۔

”زینپ۔۔۔ ای میل مل گئی؟“ وہ خوشگوار انداز میں بولی۔

”الاس یہ تو پانچ ابواب ہیں۔“ وہ رکھائی سے بولی۔

”جی۔ جب تک آپ ان کا ترجمہ کر دیا کریں گی ہم۔۔۔“

”الاس آپ نے میرا نام؟ سکھو ڈراما لکھ کر سنٹ پڑھا ہے؟ پڑھا ہے یا نہیں؟“

”جی میں نے۔۔۔“

”اس پہ میرے اور میرے ہاس کے سائن ہیں۔ جانتی ہیں ہم دونوں کون ہیں؟“ وہ سنجیدگی سے کہہ رہی تھی۔ ”ہم تری کے ٹاپ لٹریچر ایجنٹ ہیں۔ اور اس لکچر سنٹ میں ہم دونوں نے نیلو فری خانم سے حلیہ وعدہ کیا ہے کہ اس مسودے کو ایک نہیں کریں گے اور اگر ہم نے ایسا کیا تو ہمارا سٹس کیمنٹ ہو جائے گا۔ یعنی دو بارہ کبھی لٹریچر پر پیکش نہیں کر سکیں گے۔ آپ کو اندازہ ہے کہ بغیر مسودہ دیکھے میرے ہاس نے (آواز غصے سے بلند ہونے لگی)۔۔۔ جو کہ یورپ کے ایک نامور ایجنٹ ہیں۔۔۔ جو ہارپر کولٹز اور ریڈم ہاڈس جیسے اداروں کے ساتھ کام کرتے ہیں۔ اس آدمی نے بغیر مسودہ دیکھے میرے قول پہ اعتبار کر کے ایجنڈا کو منٹ سائن کر کے دے دیا۔۔۔ کیونکہ میں نے کہا تھا کہ صبح تک آپ مسودہ بھیج دیں گی۔“

”زینب... میں....“

”میرے ہاس نے اتنی بڑی بڑی کتابیں چھاپی ہیں کہ ان کے لئے ایک سیاسی کتاب اتنا میٹر نہیں کرتی جتنی ان کی کاپی میٹری میٹر کرتی ہے۔ صبح جب میں ان کو بتاؤں گی کہ میری کلاخت نے مجھ پر اعتبار نہ کرتے ہوئے پورا مسودہ نہیں بھیجا۔ تو پورا آفس مجھے کس نظر سے دیکھے گا؟ سب جانتے ہیں کہ ہم اپنے دستخطوں کے ساتھ نان ڈسکلوڈر آپ کو دے چکے ہیں۔ کل کو آپ کا ٹریکٹ نہ کریں اور کوئی اور کتاب ایک کروڑے تو ہمارے لائسنس تو کینسل ہو گئے نا؟“

”نہیں۔ زینب... میری بات سنیں۔“

”میں نے پورا مسودہ اس لئے مانگا تھا کیونکہ کل اس کتاب کی نچل ریڈ ہونی تھی۔ میرے ہاس معترض اور میں نے ایک میٹر پہ بندھ کے پوری کتاب پڑھنی تھی۔ مترجم ایک آرٹسٹ ہوتی ہے۔ اس کو پوری کتاب دی جاتی ہے، کاٹریکٹ کیا جاتا ہے، وہ اپنی مرضی سے ایڈاب کا جہاں سے چاہے ترجمہ کرتی ہے۔ پہلے مشکل ایڈاب کا۔ پھر آسان کا۔ ہمیں وہ کتاب ترتیب سے دے گی، لیکن ہم اس کو بچوں کی طرح قسطوں میں ہوم ورک نہیں دے سکتے۔ سارے یورپ میں پتہ کر لیں۔ کوئی مسودہ دیکھے بغیر نان ڈسکلوڈر سائن نہیں کرنا مگر ہم نے کر لیا۔“

”زینب... اصل میں آخری ایڈاب کی پروف ریڈ تک ابھی ہونا تھی اس لئے...“

”الہاس مجھے نہیں معلوم آپ کے کیا مسائل ہیں مگر میں صبح آفس میں کسی سے نظر لانے کے قابل نہیں رہوں گی۔ میں ایک عورت ہوں جو مردوں کی دنیا میں نام بنانے لگی ہے۔ یہاں سب میرے نام کام ہونے کے انتظار میں بیٹھے ہیں۔ آپ یوں کریں، آپ میرے نان ڈسکلوڈر کی ای میل ڈیلیٹ کر دیں۔ میں ہاس کو کہوں گی کہ میں نے وہ بھیجا ہی نہیں تھا۔ اور آپ مجھے مسودہ نہ بھیجیں۔ میں اس کتاب کو چھاپنا چاہتی تھی لیکن اگر ہمارے درمیان اعتبار ہی نہیں ہے تو ہم اس کام کو کرتے ہی نہیں ہیں۔ آئی ایم سوری اگر میں نے کچھ سخت کہہ دیا ہو مگر صراحتاً کہہ کر دیا ہے، چکا ہے اور میں اس وقت بہت پریشان ہوں۔ ایک جاہل (گڈ ناٹ)۔“

اس نے آخری فقرہ سو گوارہ سے کہہ کے کال کاٹ دی اور مگر ہی سانس لیتے ہوئے سرخ تنہا چہرہ اٹھایا۔ وہ جو اتنی دیر سے چپ چاپ سوئے ہوئے بیٹھا تھا، کھٹکھٹا۔

”اب میں بول لوں؟“ احتیاط سے پوچھا۔ ”کیا واقعی مترجم اپنی مرضی سے بغیر ترتیب کے ترجمہ کرتا ہے؟“

”مجھے نہیں پتہ۔ میں نے تو ایسے ہی کہہ دیا۔“

”اور نچل ریڈ؟ وہ توئی دی ڈراموں کے اسکرپٹ کی نہیں ہوتی؟“



”اللہ کرے اس کو یہ بات نہ معلوم ہو۔“ وہ گھر سے گھر سے سانس لے کر خود کو نادل کرنے کی کوشش کر رہی تھی۔ یا تو اس نے الماس کو بالکل کھو دیا تھا یا پھر الماس وہ کرنے والی تھی جو اسے کرنا چاہیے تھا۔

ای میل کی ٹون بجی تو تالیہ نے بے چینی سے میل کھولی۔

الماس نے معذرت کے بعد لکھا تھا کہ اس نے صرف اس لئے مسودہ نہیں بھیجا تھا کیونکہ ابھی وہ آخری ایواب کو پروف کر رہی تھی۔ اسے زینپ پہ مکمل اعتبار ہے۔ اس لیے اب وہ پورا مسودہ بھیج رہی ہے۔

تالیہ نے الٹیج شدہ فائل کھولی تو چار سو پچاس صفحات کی فائل کھل گئی۔

پوری کتاب... ملا پتیا کی حساس ترین اور scandalous ترین کتاب اس کے فون میں تھی۔ اس کی ساری کلفت دور ہونے لگی۔ بالآخر وہ مسکرائی۔

”میں نے ابھی سنا ہیں شوق سے نہیں پڑھیں۔ مگر یہ وہ پہلی کتاب ہوگی جس کو میں اسٹے شوق سے پڑھنے جا رہی ہوں۔“

دو گھنٹے کے سینئر ٹیکل کے ساتھ ہائیمنی جس پر انوں کا تمام کے ٹیکسٹ کمانے بچے تھے۔

جہان نے اپنے سوہاگل پہ فائل کھولی اور اسی صوفے پر ٹیک لگا کے فون چہرے کے سامنے کیے مطالعے کا آغاز کیا۔

”میں تمہاری تعریف نہیں کرنا چاہتا مگر ویل ڈن“ تالیہ حاتم۔“

صفحات چار سو پچاس تھے اور رات ابھی شروع ہوئی تھی۔

☆☆=====☆☆

وہ سبز کے ساتھ کارپٹ پہ ٹیکشن کے سہارے بیٹھی فلیج کا کمرہ کھاتے ہوئے کتاب میں غرق تھی۔

نیلوفر کی ابتدائی زندگی کے ایواب تلخ تھے یا ان کو شاید تلخ بنایا گیا تھا۔

(پبلیشٹ فلیج کتاب کے کلین صفحات کے ساتھ اس کے طلق کے اندر جا رہی تھی۔ اس کا ڈاکٹر تلخ تھا اور شکر کے دانے دانتوں کے چھ محسوس ہوتے تھے۔ جیسے ڈیمروں کو ڈراہٹ کو ڈراہٹ شکر ڈال کے ٹھکانے کی کوشش کی گئی ہو۔)

”اس نے اپنے بیچین اور نو جوانی کے ایام کو زبردستی دلچسپ بنانے کی کوشش کی ہے۔ سو بوریگ۔“

وہ صوفے پر ٹیک لگائے بیٹھا سوہاگل سے کتاب پڑھتے ہوئے تہرہ کر رہا تھا۔ دفعتاً وہ آگے کو جھکا اور ایک پبلیشٹ ٹیکرون الفا کے منہ میں رکھا۔

(ٹیکرون... جھلکے محسوس لگتا تھا... ٹیکرون میں آیا تو معلوم ہوا کہ اس کی خستہ روئی جب کافی نہ تھی۔ کڑا سے دباؤ پہ منہ میں پکسل پکسل گیا۔ پبلیشٹ اور باہم کا ڈاکٹر اس کے اندر سکھڑتا گیا۔)

”جوانی کے ایوان میں نیلو فر نے اپنی جتنی تعریفیں لگی ہیں ان کے باوجود مجھے یہ ایک انتہائی کمزور عورت معلوم ہو رہی ہے۔  
ہر ایک طاقتور آدمی اور اپنی خواہشات کے دباؤ پر فوراُں جھک جاتی ہے۔“  
وہ تکی سے کہہ رہی تھی۔

کئی کئیوں کے باہر رات اب دوسرے پہر میں داخل ہو رہی تھی۔  
وہ باہر سکون تھا اور دور کا دکا کشتیاں تیرتی نظر آتی تھیں۔

تالیہ نے 112 واں صفحہ سہاگل پہ پلٹتے ہوئے بازو لہا کر کے میز سے ایک چاکلیٹ فزفل اٹھایا اور اس میں دانت کاڑھے۔

وہ اب نیلو فر اور عیدالطمن کی شادی کے گزرے ماہ و سال کا حال پڑھ رہی تھی۔

(گول فزفل سیاہ چاکلیٹ سے لہریز تھا مگر اندر گناش ساں کا کریمی سپر بھرا تھا۔ وہ بیٹھا بھی تھا اور کھڑے بھی۔ مگر ڈالتے  
دار تھا اور اسی کا ڈالتے سب میں بہترین تھا۔ وہ ڈالتے جس کے پیچھے بہت سے لوگ فزفل خریدتے تھے۔)

”ایک عورت اتنی نارینڈ بک اپنی کم عمری کی کے ساتھ کیسے لکھ سکتی ہے؟“ ٹوڈا گواہی سے پڑھتے ہوئے کہہ رہا تھا۔ نیلو فر  
کی طلاق اور اس کے بعد کے ایوان بھی شادی کے ایوان سے زیادہ مختلف نہ تھے۔

(nutella فزفل چاکلیٹ فزفل سے ذرا مختلف تھے۔ ان میں hazlent اور غلیظ ڈالا گیا تھا۔ وہ اتنے ہی سیاہ اور کھڑے  
تھے مگر nuts ان کو ڈالتے دار بنا رہے تھے۔ سیاہ چاکلیٹ کا سفر مزے دلچسپ ہوتا جا رہا تھا۔)

تیسرا پہر شروع ہوا اور جہان نے نظر اٹھا کے اسے دیکھا۔ وہ بغیر کسی غم کے آوار کے ہانکل منہک سی کتاب کے مطالعے  
میں غم تھی۔ وہ جو پڑھ رہی تھی وہ ایسے ہی اثرات اس کے چہرے پہ تھے۔

”ایک سوال پوچھوں؟“ وہ سوچ کے کہہ رہا تھا۔

”ابھی نہیں۔ ہمیں صبح سے پہلے اس کو تسمل کرنا ہے۔“ تالیہ نے سہاگل سے نظریں بنائے بغیر اس کو چپ کر دیا۔ اس  
نے پہلو بدلا اور وہاں پہن پڑھنے لگا۔ صوفیہ ڈمن کی کردار کشی پہ لکھے باب کو نکلنے کے لئے اس سے متنی چاکلیٹ چیز ایک کا ٹکڑا اٹھا  
لیا تھا۔

(چاکلیٹ چیز ایک میں پنیر کا ڈالتے بھی تھا اور کریم کا کھتا ہن بھی۔ مٹاس بھی اور ٹوڈا کی سخت چاکلیٹ کرسٹ کی  
تھی بھی۔ گویا اس میں سارے ڈالتے ایک ساتھ رچ بس گئے تھے۔)

آخری ایوان نیلو فر کی بے چارگی بھری حالیہ زندگی کی کہانی سناتے تھے۔ کیسے اسے کئی سال سے صوفیہ کی طرف سے

ڈھسکیاں دی جاتی رہیں، مگر وہ ڈوٹی رہی۔ ان ابواب میں قاتح سمیت دوسرے کئی سیاستدانوں کی کردار کشی بھی کی گئی تھی۔ تالیہ کا نام بھی کئی دوسری خواتین کے ساتھ درج تھا اور اسے چڑھتے ہوئے وہ ماتھے پہل ڈالے ہوئے تھی۔

(جو چاکلیٹ bon bon اس وقت کھا رہی تھی وہ دل کی قفل کا تھا۔ باہر سے خستہ کرسٹ لے... اس کے وسط میں چاکلیٹ ماس بھری تھی۔ اس کا ذائقہ تلخ تھا۔ اور اگر منہ اس تھی تو میز پر رکھی سردی چاکلیٹس کے ذائقے نے اس کو ختم کر دیا تھا۔)

چار سو پچاس صفحات کی کتاب ختم ہوئی تو کھڑکیوں کے باہر روشنی پھیل رہی تھی۔ تالیہ نے چہرہ اٹھایا تو اس کی آنکھیں مسلسل سٹالے سے لگاؤ پر رہی تھیں۔ وہ بڑے صبر سے صوفے پہ بیٹھا تھا۔ اس نے کافی دیر ہوئی سو باہل رکھ دیا تھا۔

”تم نے پڑھ لی؟“

”تمہارے برعکس مجھے کتابیں پڑھنے کی عادت ہے اس لئے میری رفتار تیز ہے۔“ وہ بے تاثر سا لگ رہا تھا۔ اسے کتاب نے اس طرح ”متاثر“ نہیں کیا تھا جیسے تالیہ کو کیا تھا۔ وہ ابھی تک گہرے صدمے کے زیر اثر تھی۔

”یہ کیا تھا؟“ اس کا انداز اسے سخت سا تھا۔ ”انا کہ میں صوفیہ دھرم کی مخالف رہی ہوں مگر اس کا پاب اتنا بھی شیطان نہیں تھا جتنا اس نے اپنی کتاب میں لکھا ہے۔“

”مجھے نہیں معلوم اس میں کتنا سچ اور کتنا جھوٹ لکھا ہے۔ لیکن ایسی کتابیں سچائی کے دانے کے ساتھ ہی لکھی جاتی ہیں۔ جو بھی ہے اگر وہ اس کتاب کو لے کر کئی دن میڈیا پر انٹرویوز دیتی رہی تو بہت سے لوگ برے ہوں گے۔“

”ڈونٹ وری۔ وہ اس کتاب کو نہیں چھاپے گی۔“ اس نے درد کرتی آنکھیں مسلتے ہوئے فون رکھ دیا۔ ”تالیہ نے کتاب اس کے ہاتھوں سے چالی ہے۔ اس کو اس کے دماغ سے کیسے جڑانا ہے نیتا تالیہ کو معلوم ہے۔“

اسے یقین تھا کہ وہ سیاہ رات اب ختم ہوئے کو تھی۔ بالآخر وہ اپنی آزادی حاصل کرنے جا رہی تھی۔

☆☆=====☆☆

مشرور اکروڑ کا سارا بھی رواں دواں تھا۔ آج صبح وہ ایک دوسرے کھنڈ پر رکھی تھی اور مسافر اتر کے اس کھنڈ کی سیاحت میں مصروف ہو گئے تھے۔ ایسے میں تالیہ چپ چاپ اپنی جیکٹ کی بند مرچ گرائے، جیک کدھے پہ ڈالے، نگرون جھکائے اس جھمبے کے درمیان سے راستہ جاتی سڑک کی طرف بڑھ گئی تھی۔

اس کا کام کروڑ میں مکمل ہو چکا تھا۔

پانچ دن بعد اس نے کوئی سڑک دیکھی تھی۔ گاڑیاں، موٹر بائیکس اور تیز چلتی ایسی عجیب سی لگ رہی تھیں۔ کل تک لگتا تھا

کہ ساری دنیا پانی میں ڈوب چکی ہے۔ جب وہ قندیم لاکہ میں چار ماہ گزار کے آئی تھی تب بھی ایسا ہی معلوم ہوتا تھا۔ شاید ہمارے ارد گرد ہر چیز ہمیں تب تک عجیب لگتی ہے جب تک اس کی عادت نہ پڑ جائے۔  
برائیوں کی بھی۔

اچھائیوں کی بھی۔

اس نے ایک ایسی روکی لہر اس میں غرق ہو کر رہ گئی۔ وہ دواہن کا بہرہ جاری تھی۔ کڑکی سے باہر دیکھتے ہوئے ہڈ کے بالے میں اس کا چہرہ مسکراتا ہوا نظر آ رہا تھا۔ یہ مسکراہٹ بہت لمبے بعد اس چہرے پہ نظر آئی تھی۔  
ہیند بھلا کہ جانے سے قبل دانی اس کا مرنے کی مسکراہٹ تھی۔  
اب اسے صوفیہ کو کال کرنی تھی۔

”جب آپ نے مجھے ملاقات کا شرف بخشا تھا تو ایک دن کی رحمت۔“ وہ کڑکی سے باہر دیکھتے ہوئے سواہل کان سے لگائے اپنی زبان میں کہہ رہی تھی۔ صوفیہ دوسری جانب ہر تن کوڑھ تھی۔ ”تو آپ نے کہا تھا کہ آپ اس کتاب کو برداشت نہیں کر سکیں گی۔“

”کوئی بھی جی نہیں کر سکتی۔ اب مجھے بتاؤ کہ۔۔۔“

”پہلے آپ مجھے سمجھاتیں۔“ وہ دو لوگ انداز میں بولی۔ ”آپ کیوں چاہتی ہیں کہ اس کتاب کو چھاپنے کا خیال نیلوفر کے ذہن سے نکل جائے؟“

”کیا مجھے دوبارہ بتانے کی ضرورت ہے؟“ صوفیہ کو یہ سوال ناگوار گزارا۔

”اس اساطیر میں آپ کا واحد knight ہوں، ملکہ عالیہ۔ آپ کو اس کتاب سے چیچھا چھڑانے کے لئے تالیف کے سوالات کو برداشت کرنا پڑے گا۔“

صوفیہ نے کڑوی سی سانس اندر اتاری اور بظاہر تحمل سے بولی۔ ”میں یہ اس لئے چاہتی ہوں کہ نیلوفر میرے باپا کو بدنام نہ کر سکے۔“

”اور آپ کے باپا کیسے بدنام ہوں گے؟“

”اس کی کتاب کی قیامت لوگوں کے ذہنوں میں مینہ پائے گی۔ میرے دو فرزند کے دل میں میرے باپا کا اچھا بھلا ہونا ہے۔“

”تو یہ ہمارا سب سے بڑا خوف ہے، ہے؟ کہ دوسری کو بدنام ہونے سے بچایا جائے۔“

”تم یہ آل ریڈی جانتی ہو، تالیہ۔“ وہ مضطرب سے بولی۔

”مزید اس کتاب کے شائع ہونے کا سوچی کے کیا بری باتیں آپ کے ذہن میں آتی ہیں؟“

صوفیہ نے چند لمحے کے لیے سوچا۔

”وہ عورت برہمن الاقوامی ہسپتال پہ بیٹھ کے انٹرویوز دے رہی ہوگی۔ مصالحوں دار کشمیری باتیں بتا رہی ہوگی۔ عوام دم

سارے اس کو سن رہے ہوں گے۔ وہ ہر جگہ چھائی ہوگی۔“

”اگر ایسا ہوا بھی تو آپ کی پارٹی بھی جوابی انٹرویوز دے گی۔“

”ہاں اور اس صوفیہ ہتھیار نیلوفر جنگ سے میری ساری کیکھیں تباہ ہو جائے گی۔ میری پارٹی سب کام چھوڑ کے اس کو

جواب دے دی ہوگی فاتح کا مقابلہ کرنے کی بجائے۔ اور اگر ہم جواب نہیں دیتے تو نیلوفر دن دو دن شو کے طور پہ چھائی جائے

گی۔ آگے کنواں پیچھے کھائی۔“

”اس کے علاوہ؟“ اس کے سوال صوفیہ کتاؤ دلار ہے تھے۔

”اس کے علاوہ یہ کہ وہ نہ صرف میرے باپ کو بدنام کرے گی، بلکہ اپنی کتاب حج کے کئی ٹین ڈالرز کمائے گی۔ وہ ایک

بہت امیر عورت بننے والی ہے۔ اسی لئے میں چاہتی ہوں کہ یہ کتاب نہ آئے۔ اگر یہ کسوٹی ختم ہوگئی ہے تو میں اپنے کام کر

لوں؟“

”ایک آخری بات۔“ تالیہ سوچتے ہوئے بولی۔ ”آپ یہ چاہتی ہیں کہ دوسری بدنام نہ ہوں نیلوفر امیر نہ ہو اور وہ میڈیا

پہ کسی ملک کی طرح منظمی انٹرویوز نہ دے دی ہو۔ ہمارے یہ تین مقاصد پورے ہو گئے تو میری ذیل پوری ہوگئی ہے نا؟“

”ہاں اور یہ سب ہی ہو سکتا ہے جب وہ اس کتاب کو شائع نہ کرے۔“

”یا تک دی رحمت!“ (عزت آپ) وہ مسکرا کے کھڑکی کے باہر گزرتی دکانوں کو دیکھ کے بولی۔ ”میں آپ سے وعدہ

کرتی ہوں کہ یہ بیچوں کام ہو جائیں گے۔ میں کامیابی کے بہت قریب ہوں مگر آپ کو مجھے میرے طریقے سے کام کرنے دینا

ہوگا۔“

”تمہارا طریقہ؟“

”آپ دیکھ لیں گی۔ یہ تالیہ کے چلانے ہیں۔ تالیہ کی مرضی!“ اس نے مسکرا کے فون رکھ دیا۔

ٹیکسی اب قابو کے ایک مصروف بازار کے درمیان سے گزر رہی تھی۔ سڑک کے دونوں اطراف خواجہ فردوسوں کی

ریز میاں اور رش نظر آتا تھا۔ شیشے بند ہونے کے باعث شراندر نہیں آ رہا تھا۔ تالیہ اسی مسکراہٹ کے ساتھ سر جھکائے فون پہ

ای میل لکھنے لگی۔

”ڈیئر الماس۔

کتاب کی ٹیبل ریج مکمل ہو چکی ہے اور ترجمے کا آغاز ہو گیا ہے۔ یہ کتاب اتنی ایڈمنٹل اور دل کو چھونے والی تھی کہ اس کو پڑھنے وقت کمرے میں ایک بھی آنکھ فلک نہیں تھی۔ میں اور میری ٹیم بے چینی سے آپ کا ترکی میں انتظار کر رہے ہیں۔ کیا ہی اچھا ہو کہ آپ کروڑ پانچ ستر مختصر کر کے پرسوں ہی ترکی آجائیں۔ اندرین سب ایڈیٹر بھی یہاں ہوں گے اور آپ جلد ہمارے کام مکمل کر کے شادی کی تیاریوں میں میری فیملی کے ساتھ شامل ہو سکیں گی۔

زیب کا مران“

ٹیکسی ابھی ہوٹل کے راستے میں تھی جب اسے جوابی ای میل موصول ہوئی۔

”جھیک ہو سوچ زینب۔ میں بھی یہی سوچ رہی تھی۔ ہمیں آگے کینیڈا بھی جانا ہے۔ اس لئے بہتر ہے کہ ہم استنبول کے لئے پرسوں کی فلائٹ بک کر لیں۔ ایک ہفتہ ہم استنبول میں گزار کے کینیڈا چلے جائیں گے۔ اور ہاں میری والدہ کا شادی کے لئے جوڑا بھی تیار ہے۔“

تالیہ نے مسکرا کے دیسی سا جواب دیا اور فون رکھ کے خود سے بولی۔

”اب دیکھتے ہیں بچے الماس کہ کس کی عزت کس کے ہاتھ میں ہے۔“

ٹیکسی اب کھجور کے درختوں سے حارین ہوٹل میں داخل ہو رہی تھی۔ اس نے ایک سرسری سی نظر دوشتوں کے چھنڈ پھاڑی۔ وہ اس کے اندر کوئی خوف، کوئی نا سلیج یا دکانے میں نا کام رہے تھے۔ شاید وہ ذاتی طور پر تندرست ہو رہی تھی۔

☆☆=====☆☆

قابروہ اور غیور کو مانے والے پل کے اوپر شام اتر رہی تھی۔ وہ ایک طویل پل تھا جس کے نیچے نیل بہہ رہا تھا۔ وہ یا کہ اس کنارے بہت سے ریستوران بنے تھے جن کے ٹان پانی کے دبانے پر ختم ہوتے تھے۔ وہاں اونچے ریٹک بنی تھی۔ جس ریستوران میں اس وقت وہ موجود تھی اس کی ریٹک کے ساتھ کھڑے ہو تو نیچے دریا اور سامنے پل دکھائی دیتا تھا۔ یہاں کھڑے ہوئے پل بے حد قریب لگتا تھا۔ مردا کے سفر نے اسے نیل کا آئنا دار دی بنادیا تھا کہ وہ ایک پہر بھی وہاں سے دور نہ رہ سکی تھی۔

”مرحبا۔“ لعاب معمول وہ بچا پاپ کے اس کے عقب میں آکھڑا ہوا۔ البتہ اس کے بولے پدہ نہیں چوکی۔ بس مسکرا کے

گردن موڑی۔ آج اس نے سر پہ جیٹ نہیں پہنا تھا۔ بلکہ سیاہ بالوں پہ پتھر جیڑ لگا رکھا تھا اور لباس بھی ملائیشیا کا روایتی باجو کرنگ تھا۔ گلابی سا سکرٹ اور لاہر بنزلی قمیض۔ کندھے پہ پھولدار اسٹول۔

”مرہ! جہان ہے۔ تم نے مجھے ڈھونڈ لیا۔“

جہان نے ہتھلیاں سکڑ کے آنجنب سے اس کے حلیے کو دیکھا۔

”تم نے کہا تھا تم کال کرو گی مگر تم نے نہیں کی۔ البتہ تم نے اپنے پرانے نمبر آن کر لئے اور اپنا حکومتی کریڈٹ کارڈ استعمال کرنا شروع کر دیا۔ اور اب تمہیں دیکھ کے کوئی دور سے بھی بتا سکتا ہے کہ تم ملے ہو۔ مجھے کیوں ایسا لگہ ہا ہے کہ تم۔۔۔“

”کہ میں چیچہ ناخیں چاہتی۔ کیونکہ اب مجھے کسی کا ڈر نہیں ہے۔“ تالیہ نے کہتے ہوئے موبائل اسکرین اس کے سامنے لہرائی۔ جہان نے اسکرین کو دیکھ کے ہنسوس سے سر جھٹکا۔

”تم انٹرا اور ٹویٹر پہ چیک ان بھی کر چکی ہو۔ سوشلی بھی ڈال چکی ہو۔ یعنی تم اپنے عوام کو گٹانا چاہتی ہو کہ تم قاہرہ میں ہو۔ یہ پلان کا حصہ ہے؟“

”یہ کیسے والا آدمی سمجھ گی سے پوچھ رہا تھا۔ سمجھ کی بی بیوں میں ہاتھ ڈالے کڑا وہ اس کی طرف سے مزید مشکوک نظر آ رہا تھا۔“

”ظاہر ہے یہ پلان کا حصہ ہے۔“ وہ ہنسنے لگی۔ ”اور ہاں۔ میں تمہارا شکر یہاں کرنا چاہتی تھی۔“  
دور بیٹک سے ٹپک لگائے کٹری ہوئی اور ہارو سینے پہ پیٹ لئے۔ اس کی پشت چاب دیا بیدہ ہاتھ جس میں دور دور تک کشتیاں حیرتی نظر آ رہی تھیں۔

”ممبر اشکر یہ؟“ اس نے تخب سے ابھرا ڈھایا۔

”ہاں۔ کیونکہ میں انسانی نفسیات کو تمہاری طرہ بار یک بنی میں نہیں سمجھتی تھی۔ مجھے خود کو کسی کی جگہ رکھ کے سوچنا نہیں آتا تھا۔ تمہاری مدد کے بغیر میں واقعی ٹیلور کو کون نہیں کر سکتی تھی۔ اس لئے تمہارا شکر یہ۔“

”تمہیں کوئی سر پہ چوٹ وغیرہ تو نہیں لگی؟“

”مگر تالیہ نے اس کا نظر نظر انداز کیا اور وہ گردن موڑ کے دیا کو دیکھنے لگی۔

”میں یہ نہیں کہوں گی کہ مجھے ممبر کرنا آ گیا ہے، لیکن بہت عرصے بعد مجھے وی لطف محسوس ہوا ہے جو کسی کو انجام کر کے محسوس ہوتا تھا۔ مگر تب ایک گٹ بھی تھا جو دل کو سیاہ کر ہاتا تھا۔ اس وعدہ گٹ نہیں ہے۔ میں خود کو کریڈٹ دیتا چاہتی ہوں اور واقعی (چہرہ اس کی طرف واپس موڑا) واقعی اپنی عزت کرنا چاہتی ہوں۔ یہ ٹھیک ہے کیا؟“

وہ جو کوئی اور چوٹ کرنے جا رہا تھا اس بات پہ گہری سانس لی اور جوتے کی ٹوک سے گھاس کو مسلنے لگا۔ ”تمہیں اپنے آپ پہ فخر ہونا چاہیے۔ جو کام تمہاری ذمہ بر عظیم کے وہاں دار سپاہی نہیں کر سکتے وہ تم نے اکیلے کر دکھایا ہے۔“

”اکیلے کہاں؟ تم میرے ساتھ تھے۔“

”تمہیں واقعی سر پہ چوٹ لگی ہے۔ مگر خیر۔۔۔ میں نے کچھ نہیں کیا۔ پلان تمہارا تھا۔ اداکاری تمہاری تھی۔ یہ تمہارا اپنا کمال تھا۔“ وہ بے نیاز تھا۔ اسے کوئی کرٹھن کوئی سٹاکس نہیں چاہیے تھی۔

”تم بھی میرے جیسے کام کرتے ہو۔ مگر تم مجھے گھٹی نہیں گنتے۔ کیوں؟“

”کیونکہ میں جانتا ہوں کہ میں کوئی اور کام نہیں کر سکتا تھا۔“

وہ گہری سانس لے کر اس کے ساتھ رینگ سے ٹیک لگائے آکھڑا ہوا۔ اب دونوں کی پشت پہ دیا تھا۔ وہ سر جھکائے جو گھر سے گھاس کھر گڑتے کہہ رہا تھا اور وہ گردن موڑے اسے دیکھ رہی تھی۔

”I lie for a living۔ مجھے یہی کام آتا ہے۔ لوگوں کو manipulate کرنا، موقع پہ کور اسٹوریز گھڑنا۔۔۔ چیزوں کو قابل یقین بنانے کے پیش کرنا۔۔۔ یہ میرا ٹیلنٹ ہے۔ یہی تمہارا ٹیلنٹ ہے۔ اور ٹیلنٹ اچھا برا نہیں ہوتا۔ اس کا استعمال اسے اچھا برا بناتا ہے۔“

”مگر اس طرح میرا ٹیلنٹ تو جھوٹ بولنا اور لوگوں کو دھوکہ دینا ہوا۔“

”نہیں۔ تمہارا ٹیلنٹ لوگوں کی نفسیات کو سمجھنے کے ان کے سامنے اپنی مرضی کی چیز کو believable بنانے کے پیش کرنا ہے۔ جو لوگ اس کو اچھے کاموں کے لئے استعمال کرتے ہیں وہ جانتے ہو کیا بننے ہیں؟ راکھڑا اور موٹیویشنل اسپیکر۔“

”راکھڑا اور اسپیکر دھوٹے ہوئے ہیں کیا؟“

”نہیں مگر وہ ’امید‘ کو believable بنانے کے پیش کرتے ہیں۔ وہ اچھے کاموں کی ترغیب دینے کے لئے لوگوں کے سامنے اچھائی کی فتح کا نقشہ کھینچتے ہیں۔ کہانیوں کے ذریعے ’تقریروں‘ کے ذریعے۔ ان کو باتیں بنانا، آتی ہیں تو وہ اچھائی کو پسیلانے کے لئے باتیں بناتے ہیں۔ اگر وہ لکھ اور بول نہ سکیں تو وہ میرے لوگوں کے خلاف اپنے اسی ٹیلنٹ کو دوسرے طریقے سے استعمال کرتے ہیں۔ جیسے میں کرتا ہوں۔ اور مجھے اس کا کوئی گلاٹ نہیں ہے۔ میں نے خود کو قبول کر لیا ہے۔“

”مگر کچھ ماہ پہلے تک مجھے جانا یہ ٹیلنٹ ایک curse لگتا تھا۔“

”نہیں۔ یہ تمہارا قصہ ہے۔ اللہ تعالیٰ نے ہر انسان کو کوئی قصہ عطا کیا ہوتا ہے۔ وہ تو تمہارا امتحان ہوتا ہے۔ ایسے کہ وہ اس کو ذلیل بھی کر داتا ہے، تکلیف بھی دیتا ہے، اور انسان اپنی اس خوبی کی وجہ سے دوسرے لوگوں سے اذیت بھی سہتا ہے یہاں



تک کے اسے لگتا ہے کہ یہ نعمت نہیں تھی۔ یہ اس کے لئے ایک curse اور بد جو تھی۔ وہ اس سے چھپے لگتا ہے اس سے بھاگتا ہے۔ مگر میں سمجھتا ہوں کہ یہ ایک لفظا پروتی ہے۔“

”اور درست ا پروتی کیا ہے؟“

”اللہ نے آپ کو جس کام میں اچھا بنایا ہے، وہ آپ کو صفت میں نہیں مل گیا کہ آپ جب چاہیں اس کو ترک کر دیں کہ مجھے اس سے دکھ ملتا ہے۔ اللہ تعالیٰ یہ دیکھتا ہے کہ آپ اس کے تحفے کی قدر دانی کرتے ہیں یا نہیں۔ ہر انسان کا اللہ کی دنیا میں ایک خاص مقصد ہوتا ہے۔ تمہارا وہ تحفہ تمہیں تمہارا مقصد تلاش کرنے کے لئے عطا کیا گیا ہے۔ اس سے بھاگو نہیں۔“ پھر توقف سے بولا۔ ”اب اگر تم دوبارہ میرا شکریہ ادا کرنا چاہو تو۔۔۔“

”Thanks but no thanks“ اس نے کڑی دیکھی۔ ”اپنی دین۔۔۔ وہ ماں بیٹی پر سوں ترکی جاری ہیں جہاں ان کے خوبروں کا مقبرہ ان کا انتظار کر رہا ہے۔“ اس کی آنکھیں مسکراتی تھیں۔ ”تم نے بڑے کر لیا کہ اس کی کتاب کو اس کے ذہن سے کیسے چھانا ہے؟“

”ہاں۔۔۔“ وہ اس سوال کا جواب دھوڑ چکی تھی۔ ”جاننے ہو ایک راسخ کی کتاب کہ اس کے ذہن میں تیار ہوتی ہے؟ یعنی۔۔۔ اس کی قیمتی تخلیق اس سے شائع ہونے سے قبل کیسے چھنی جاتی ہے؟“ وہ مسکرا کے کہہ رہی تھی۔ ”میں جانتی ہوں کیونکہ میں یہ پہلے کر چکی ہوں۔ میں نے ایک راسخ کی کتاب شائع ہونے سے پہلے اس کے ذہن میں خراب کی تھی۔“

”وہ کیسے؟“ وہ تعجب سے اسے دیکھ رہا تھا۔

”ایلم جب اپنی کتاب لکھ رہا تھا تو وہ روز چھ صفحات لکھ کے مجھے دیتا تھا۔ میں نے ان میں ایک ذرا سی تبدیلی کی تھی۔ ایک نام کی۔ اور ایلم کا دل بھگ گیا تھا۔ کسی صاحب کتاب کے لئے سب سے ناقابل برداشت بات کیا ہوتی ہے؟“

”کس اس کی کتاب میں رد و بدل کروا جائے؟“ اس نے کہتے ہوئے اوپر آسمان کو دیکھا۔

”ہاں۔ معمولی سا رد و بدل۔“ اس نے دو انگلیوں کے بیچ ذرا سی ہوا کو مضیق کر کے دکھایا۔

”میں سمجھا نہیں۔“

”پھر اتنا جان لو کہ۔ نیلو فر کتاب شائع نہیں کرے گی۔“ وہ زور دے کر بولی۔

”تمہیں اتنا یقین کیسے ہے؟“

”کیونکہ اس کتاب کو میں شائع کروں گی!“

نیل کنارے کھڑی لڑکی کی مسکراہٹ شرع تھی۔

☆☆=====☆☆

اترک انیر پورٹ استقبال پس اس شام معمول کا رہا تھا۔

اناؤسٹنٹ اور مسافروں کا شور آپس میں گنڈھ بھڑکا رہا تھا۔

تمام ضروری کارروائیوں سے فارغ ہو کے نیلو فراہمی ماں کے ہمراہ گردن کڑائے چلتی ہوئی ایک بیچ کی طرف آ رہی تھی۔ یہ بیچ انیر پورٹ کے خارجی دروازے کے قریب تھا۔ اس کے سامنے ہی دو ڈافون کاؤنٹر بنا تھا جہاں سے الماس اس وقت نیا سم کارڈ خرید رہی تھی۔

نیلو فری ماں آستائی آستائی ہی بیچ پہنچی اب نیلو فری نے ہالوں کی کٹ انگلی سے بٹاتے ہوئے پہلے ارد گرد کا جائزہ لیا چند قریبی افراد کی جانب مسکراہٹ اچھائی، پھر نشہ سے بیچ کو ملاحتی ساماں کیا اور تاک پہ تک جم کے بیٹھی۔

الماس ٹولڈریک کو کھینچتی ان کے قریب آئی، وہپ سے بیچ پر گری اور پوری توجہ سے نئی سم فون میں ڈالنے لگی۔ "زیپ کے آنے میں کتنی دیر ہے؟" نیلو فری نے گھڑی دیکھی۔

"اس کی اسی میل آئی تھی ابھی۔ وہ انیر پورٹ کے راستے میں ہے۔ اس نے کہا تھا کہ ترنسل نمبر 7 کے اس کو بھیج کر دوں۔ اس نے اپنا فون نمبر دیا ہے۔" سم سیٹ کر کے الماس نے اچھے ہال کانوں کے پیچھے اڑ سے اور زیپ کو کال ملائی۔ چند کھنٹیاں گئیں مگر کال ریسپونس کی گئی۔

اس نے مہربی سانس لے کر بیچ سے ٹک لگائی تو ساتھ ہی زیپ کی ای میل موصول ہوئی۔

"میں دس منٹ تک انیر پورٹ پہنچ جاؤں گی۔ آپ لوگ کہاں ہیں؟"

اپنی ترک میزبان کا یہ کام پڑھ کے الماس مسکرا کے جواب لکھنے لگی۔

"بہا گیزٹ کے قریب دو ڈافون کاؤنٹر کے سامنے بیٹھے آپ کے منتظر ہیں۔"

اس نے ای میل بند کر کے داس امپ کو کھلوا کر دیکھنے ہوئے۔ بہت سے دوستوں نے ایک لنک شیئر کر رکھا تھا۔

"ممی!" اس نے چوکے انداز میں اسکرین کو دیکھتے ہال کو پکارا۔ "وہ جوتا یہ مراد ہے نا۔۔۔ اس نے اس روز مندر میں آپ کی انگلیوں پر رو کر لی تھی۔ دیکھیں اس نے ویڈیو پبلک کر دی ہے۔"

تالیہ نے اس ویڈیو کو نوٹس کر دیا تھا اور الماس کو برا لگا تھا مگر نیلو فری گردن پیچھے پھینک کے خس دی۔

"ہاں تو اچھا ہے نا۔ وہ مجھے زیادہ مشہور کر رہی ہے۔" پھر الماس کے کندھے پہ جھک کے اس کی اسکرین پہ جھانکا۔ "میرا خیال ہے مجھے ایک باب لگ سے تالیہ اور اس کے ہاس کے خیر پہ بھی لکھ دینا چاہیے۔ (انگیوں سے ہوا میں لکھنے کا اشارہ

کیا۔) میرے قلم کی ذرا سی جھنجھٹ ان کو منہ دکھانے کے قابل نہیں چھوڑے گی۔“

الماس مسکرا دی۔ ”گڈ آئیڈیا۔“ اور فون جیب میں ڈال دیا۔ اب ان کو تسلی سے زینپ کا انتظار کرنا تھا۔

ایک قلی قریب آیا اور ٹیکسی کے بارے میں معلومات دینے لگا تو الماس نے ہاتھ جھٹا دیا۔ ”ہماری فرینڈ پک کرنے آ رہی ہے۔“ دوسرا ہلا کے چلا گیا۔

لےسے یونی بھٹلے رہے۔ وہ جتنوں اپنے اپنے فون پہ لگی اپنا سوشل میڈیا دیکھ رہی تھیں۔ دھننا الماس نے گردن اٹھا کے دیکھا۔ آدھا گھنٹہ ہو چکا تھا مگر زینپ نہیں آئی تھی۔ اس نے فون پہ پای میل کھولی اور پیغام لکھا۔

”زینپ... ہم نیلوفر جھگڑے لگی ہیں۔ آپ کب تک پہنچیں گی؟“

فون نیچے کیا ہی تھا کہ وہ قلی دوبارہ قریب منڈلانے لگا۔

”میں نے کہا ہے کہ میری فرینڈ انیئر پورٹ کے راستے میں ہے۔ تم ہنویاں سے۔“ اس نے سختی سے کہا تو قلی نے دانت دکھائے۔

”وہ دوسرے انیئر پورٹ تو نہیں چلی گئی؟“

”وہ ترک ہے۔ اس کو راستے آتے ہوں گے۔ اس کی فکر نہ کرو۔“ نیلوفر نے جھاسی روکتے ہوئے ہاتھ جھٹا دیا۔ مگر الماس کرفٹ کھا کے سیدھی ہوئی۔

”دوسرا انیئر پورٹ؟“

”جی میڈم۔ اسٹوبل میں وہ انیئر پورٹ ہیں۔ صبیحہ گوک جن اور انا ترک۔“

الماس نے ہاتھ سے اسے بچنے کا اشارہ کیا اور الجھ کے موہاگل دوبارہ کھولا۔ زینپ کی کل سے اب تک کی تمام ای میلز کو وہ سرسری سا پڑھنے لگی۔

”اس نے کہا وہ انیئر پورٹ پہنچ جائے گی۔ انیئر پورٹ اس کے گھر سے قریب ہے۔... جو ہوئل اس نے ہک کر دیا ہے وہ بھی انیئر پورٹ سے قریب ہے۔...“ وہ تعجب سے ملوڈیکر رہی تھی۔ ”مکرمی.... میں نے تو اسے بتایا ہی نہیں کہ ہم نے کس انیئر پورٹ سے آنا ہے۔“

”اوہ۔ وہ دوسرے پہ چلی گئی ہوگی۔ اس کو کال کرو۔“ مانی نے اسکا کہہ کر الماس سر جھکا ئے فون ہاتھوں میں لے لے سن سی پیلمی تھی۔

”موہاگل نمبر پہ تو کبھی مہری اس سے ہاتھ نہیں ہوئی۔ اسکا پ اور ای میل پہ ہوئی ہے۔“ وہ ایک دم پریشانی سے

ارکانپ پہ کال کرنے لگی۔ جواب نہ اورو۔ اس نے کپکپاتے ہاتھوں سے ای میل لکھی۔

”آپ کہاں ہیں نئیب؟ ہم اس وقت تاثرک انٹر پرائز پر ہیں۔“

ساتھ ہی اس نے بے چینی سے اس کی انجینی کا ویب پیج کھولا۔ وہاں آفس نمبرز درج تھے۔ الماس سفید چہرہ لئے ایک یک نمبر ڈائل کرنے لگی۔ گھنٹیاں جاری تھیں لیکن رات کے اس پہر کسی نے کال ریسیو نہیں کی تھی۔

نیلوفر نے فکر مند سے پہلو دلا۔ ”الماس۔ پریشان نہ ہو۔ وہ آ رہی ہوگی۔ اس نے ہمیں شادی تک پہنچا دیا ہے۔“

”شادی کا کارڈ کہاں ہے؟ شادی کا فیچر کیا ہے؟“ الماس فون کان سے لگائے جوابا تجزی سے بولی تھی۔

گھنٹیاں جاری تھیں مگر کوئی فون نہیں اٹھا رہا تھا۔

”ریٹیکس۔ اس نے... اس نے ہمارے ساتھ کانٹریکٹ سائن کیا ہے۔ اگر اس نے کوئی غلط حرکت کی تو ہم اس کو sue کر سکتے ہیں۔“

”کس پیسے کے ساتھ؟“ وہ دبا دبا سا چٹکی لاد فون نیچے کیا۔ ایک دم سارا نیر پورٹ الماس ہلکو گھومتا ہوا نظر آ رہا تھا۔

”تم یہ کہہ رہی ہو کہ۔“ نانی کھٹکھاری۔ ”کہ تم لوگوں نے ایک عورت سے ملے بغیر اس کا فون نمبر لئے بغیر اس سے

کانٹریکٹ کر لیا ہے؟“ نانی نے باری باری دونوں کے فٹن پڑتے چہرے دیکھے۔ ”لیکن تم نے ابھی تک اسے کتاب تو نہیں دی

؟؟“ نانی کی آواز بھکی ہوئی۔ ”یاد دے دی ہے؟“ اس نے دل پہ ہاتھ رکھا۔ ”ڈونٹ ٹیل می تم نے صرف ای میل پہ کسی کو کتاب

دے دی ہے؟“

اور الماس کے دل پہ آرا سا چل گیا تھا۔ اس نے بے اختیار ماتھے کو چھوا۔ سر پکڑا رہا تھا۔

جھبی ای میل فون لگی۔ نئیب کی سیل موصول ہوئی تھی۔

”ڈائیر الماس بخشتہ اور ڈائیر نیلو فر بخشتہ۔۔۔۔“

Spoiler alert.....

سوری مگر ابھی دوسروں کی عزت اللہ تعالیٰ نے آپ کے ہاتھوں میں نہیں دی۔۔۔

الوداع۔۔۔

وہ بالکل سکت سی اسکرین کو دیکھ رہی تھی اچھبہ نانی کی لڑتی آواز سنائی دی۔۔۔۔

”الماس۔۔۔ نیلو۔۔۔ ایہ مراد کا نہیں یک دیکھو۔۔۔“

الماس میں سکت نہیں مگر گرنیلو فرنے نانی سے غون لیا اور اسکرین سامنے کی۔ وہ اس تالیہ کا اسٹینس بنگلہ گار ہاتھا۔

”میرے پاس نیلو فر بخت کی کتاب سے متعلق دلچسپ معلومات ہیں۔ میں چند منٹ میں فیس بک لائیو کے ذریعے ان کو منظر عام پہ لاؤں گی۔ وہ تو “تالیہ۔“

ایئر پورٹ پہ ان کے گرد لوگ آ جا رہے تھے۔ اطلاعات اسی طرح ہو رہے تھے۔ مگر وہ تین عورتیں اسی بیٹھی نانی کے فون کی اسکرین کو دیکھ رہی تھیں۔

دوسروں کی عزت اور ذات کے فیصلے کرنے والے نیلو فر کے ہاتھ بے بسی سے گود میں دھرے اپنی دو برس کی محنت کا جائزہ فیس بک لائیو پہ لکھتے دیکھ رہے تھے۔

☆☆=====☆☆

تالیہ نے ہوٹل روم میں سنبھلی اسٹک کے ساتھ کمرہ یوں بیٹ کر کھا تھا کہ وہ کرسی پہ بیٹھی نظر آرہی تھی اور پیچھے کھلی کڑی سے گجور کے درختوں کا جھنڈ نیلگوں شام میں ڈوبا دکھائی دے رہا تھا۔ وہ ٹانگ پہ ٹانگ جمائے ہالوں کو چہرے کے دونوں اطراف میں گرائے مسکرا کے موبائل کو دیکھ رہی تھی۔ ابھی اس نے ویڈیو کا مشن آن نہیں کیا تھا۔ لائیو جانے میں چند منٹ تھے۔

”سلام ملا بیچا! اس نے ساتھ رکھا بیلا اٹھایا جس میں مالنے کی پھاٹکیں بھری تھیں۔ سفید اور سیاہ دو جیتی ہا جو کرنگ پہنے تالیہ مسکرا کے کمرے میں کہہ رہی تھی۔“ میں ہوں تالیہ مراد۔ لائیو فرام قاہرہ۔ اور میرے پاس ہے اپنے عوام کے لئے ایک بڑی خبر۔“

مالنے کی چھانک منہ میں ڈالی اور مسکرا کے چہرے ہوئے وقفہ دیا۔ ویڈیو کے ویڈیو ہر لمحوں کے ساتھ بڑھتے جا رہے تھے۔

”میں اسی کورنچ سڑک رہی تھی جس پہ نیلو فر بخت سڑک رہی تھیں۔ اور اس سفر کے دوران ان کی ایک ناراض لمب بھرنے مجھ سے رابطہ کیا اور گیس انہوں نے مجھے کیا بھیجا؟“ گود میں مالنے کی پھاٹکیوں کا پیلا رکھے اس نے میز سے ہر ہلکا خدشات کا دست اٹھایا اور اسکرین کے سامنے کیا۔

”نیلو فر کی کتاب کا unedited مسودہ۔ آپ اس کا انتخاب اور چھپڑ کی فہرست دیکھ سکتے ہیں۔“ اس نے پہلے صفحات کمرے میں دکھائے۔ پھر مسودہ نیچے رکھا اور مسکرا کے ہات جاری رکھی۔ ”میں نے چند گھنٹے ضائع کر کے اس مسودے کو پڑھا ہے۔ اور مجھے یہ بتاتے ہوئے شرم محسوس ہو رہی ہے کہ میرے ملک کی ایک عورت نے اپنی بیٹی کے ساتھ یہ x ریٹینڈ کتاب لکھی ہے اور خود میرے بارے میں ابھی ایک باب تحریر کیا ہے۔ خبر مجھ پہ جو الزامات انہوں نے لگانے تھے

لگا دیے مگر داتو سری عبد الرحمن... "تالیہ نے انہوں سے سر جھٹکا۔ "میں اس آدمی کو پسند نہیں کرتی۔ میں ہانکل بھی ان کے خاندان کی عزت نہیں کرتی مگر وہ آدمی مرچکا ہے، نیلوفر صاحبہ۔ اس کے بارے میں اسنے بڑے بڑے جھوٹے اور افواہات لگاتے ہوئے آپ کو خدا کا خوف نہیں آیا۔ اچکچکی میں آپ کو بتاتی ہوں کہ انہوں نے داتو سری پہ کیا الزام لگائے ہیں۔ بلکہ... "دوہری۔

"میں اپنے عوام کے مفاد میں یہ کتاب مفت میں آپ سے شیئر کرنے کے لئے تیار ہوں مگر کل... داپس کے ایل ہا کے... اور ہاں... اگر مجھے راستے میں کچھ ہو گیا تو اس کی ذمہ داری نیلوفر بھتہ ہوں گی۔ سو... کے ایل والو... تیار ہو اس بک آف دی پخری کے بارے میں جاننے کے لئے جس پہ میری ہوجے آپ کو اس ڈالڈ نہیں خرچ کرنے پڑیں گے؟ کل ملے ہیں۔ ہائے۔ "مسکرا کے آگے جھکی اور وی بیوند کی۔

اب وہ قتل سے بیٹھی مائلنے کی چٹائیں منہ میں ڈال رہی تھی۔ ایک ڈنچا... پھٹتی پھٹتی چٹائیں پھٹتی چٹائیں... وہ جانتی تھی پہلی کال موصد کی آئے گی۔

"تالیہ... کل آٹھ بجے... پرائم ٹائم... تم اور میں اضطراب کر رہے ہیں۔ پہلا اضطراب میں تمہارا کروں گا اور میں انکار نہیں سنوں گا۔ "وہ اٹھ اٹھ چٹائیں سانسوں کے درمیان کہہ رہی تھی۔ تالیہ نے مسکرا کے ساتویں چٹائیں منہ میں ڈالی۔ "وہ تو میں کروں گی لیکن تمہیں مجھے میری من پسند قیمت بھی دینی ہو گی۔"

"میں تمہیں بہترین رائٹنگ دیوں گا۔"

چند منٹ کے بھاؤ تاؤ کے بعد فون بند ہوا تو دوسری کال آئے گی۔ ہر قسمی اور ہونجی۔

"شیور۔ کل دس بجے میں آپ کے شو میں آؤں گی، سلاو لیکن مجھے جو رقم چاہیے..."

"کل نہیں، پرسوں شام چھ بجے والا سلاو ہے میں آپ کو دے سکتی ہوں، رومی اور جو رقم میں ٹیکسٹ کر رہی ہوں وہ میرے اکاؤنٹ میں پہنچتی جاتی ہے۔ نہیں اس سے نیچا ایکہ گنت نہیں۔"

"میں آپ کے شو میں بک آف دی پخری کو ڈسکس کرنے جا رہی ہوں۔ اسنے پیسے میرا حق ہیں۔"

درمیان میں دوسرا فون بجنے لگا تو تالیہ نے گہری سانس لی اور ہنکر کی کال کالی۔ پھر وہ کال اٹھائی جس کا اسے انتظار تھا۔

"یا تمک دی بر حرمہ... کیسی ہیں آپ؟" وہ چٹکی تھی۔

"تالیہ... تم کیا کر رہی ہو؟" صوفیہ غصے سے کانپتی آواز میں غرائی تھی۔

"میں؟" اس نے ایک چٹائیں منہ میں ڈالی اور چباتے ہوئے بولی۔ "آپ کی عزت کی حفاظت کر رہی ہوں۔"

”اس کتاب کو ایک کر کے؟ یا اللہ۔ میں نے تمہیں کتاب روکنے کا کہا تھا۔“

”نہیں۔“ چباتے ہوئے سردائیں سے ہائیں بھلا یا۔“ آپ نے کہا تھا کہ نیلو فر کو اس کتاب سے پیسے نہیں بنانے چاہیے ہیں۔ یہ نہیں کہا تھا کہ تالیہ مرا اس سے پیسے نہیں بنا سکتی۔“

”میں۔۔۔۔۔“

”آپ نے کہا تھا کہ داتو سری بدنام نہ ہوں تو نہیں ہوں گے۔ میں نے کتاب کو edit کر دیا ہے۔ خطرناک باتوں کو بدل دیا ہے۔“

صوفیہ جیسی بڑی۔ ”تم نے۔۔۔۔۔ ان۔۔۔ باتوں کو مٹا دیا ہے؟“

”نہیں۔“ وہ ہنس دی۔ ”میں نے ان کو بڑھا دیا ہے۔ جہاں اس نے لکھا ہے داتو سری نے دو شادیاں اور ابھی کی تمہیں وہاں میں نے چانچ شادیاں لکھ دیا ہے۔ جہاں اس نے لکھا کہ وہ طرح کے ڈرگز استعمال کرتے تھے وہاں میں نے ڈرگز کی تعداد آٹھ کر دی ہے۔ دو شادیوں پہ لوگ یقین کر سکتے ہیں۔ چانچ کوئی نہیں کرے گا۔ نیلو فر ذاق بننے جا رہی ہے۔“

”آر بچ کر بڑی؟ ابھی وہ اعتراف دے گی اور بتائے گی کہ یہ باتیں تم نے تبدیل کی ہیں۔“

”میں یہی چاہتی ہوں کہ وہ بتائے کہ میں نے یہ باتیں تبدیل کی ہیں۔ تیسری بات جو آپ نہیں چاہتی تھیں وہ یہ تھی کہ نیلو فر کسی ملک کی طرح جو نیلو پہ بنی آپ پہ کچھ اچھا ل رہی ہو۔ اب یہ نہیں ہو گا۔ نیلو فر برجنٹل پہ بنی بتا رہی ہو گی کہ صوفیہ نمبر چار سو دس پہ فلاں فقرہ درست ہے اور فلاں غلط ہے۔ وہ نہ کتاب کی تصدیق کر سکے گی نہ تردید۔ وہ مصافیایاں دے گی اور کوئی اس پہ یقین نہیں کرے گا۔ اس کی کریمیشیائی شتم ہو جائے گی۔“

بھر ذرا وقف سے بولی۔ ”ہم دونوں جانتے ہیں کہ نیلو فر کی کبھی بہت سی باتیں سچ ہیں۔ آپ اپنے والد کے اعمال سے چھپا نہیں چھڑا سکتیں صوفیہ۔ آپ صرف قصاص کو کم سے کم کر سکتی ہیں۔ میں دی کر رہی ہوں۔ ڈنچا کنٹرول۔ میں اس کتاب کو اگلے ایک ہفتے تک میڈیا میں اتنا ڈسکس کرنے جا رہی ہوں کہ ایک ماہ بعد جب نیلو فر اس کو نظر عام پہ لائے گی تو کوئی اس میں اعتراض نہیں ہو گا۔ میں ملایکیاء کے لوگوں کو اس کا چک سے پور کرنے جا رہی ہوں۔ ڈونٹ ڈسٹرب پلیز!“

ٹھک سے فون رکھا اور اٹھ کھڑی ہوئی۔ اسے اپنا سامان بیک کرنا تھا۔

☆☆=====☆☆

غیر ابھی طلوع نہیں ہوئی تھی اور اس کے ہوٹل کے پول کے سامنے کھجور کے درختوں پہ لگی بتیاں روشن تھیں۔ ملازم اس کا سامان کار میں رکھوا رہے تھے اور وہ درختوں کے قریب کھڑی بار بار کھڑی دیکھ رہی تھی۔ بیٹھ سر پہ ہاتھ اور دستکشی نظریں

ادھر ادھر لپک رہی تھیں۔ شاید وہ اسے الوداع کہنے ائیر پورٹ پہ آئے ہو.....

”تم نے میری فیس نہیں دلائی؟“

آواز پہ وہ مسکرا کے ہلٹی۔ ایک دلدہ بکروہ اس کی آہٹ نہیں من پائی تھی۔

نیلگوں اندھیرے میں روشنیوں کے جھج جھج کر اٹھا۔ ہپی کیپ سر پہ پہنے بیسوں میں ہاتھ ڈالے سوئیٹر کے آئینہ کینوں تک چڑھائے وہ اتنی صبح منہ اندھیرے بھی بالکل تازہ دم لگتا تھا۔

”تم نے کہا تھا تمہیں پیسے نہیں چاہیے ہیں۔ ورنہ میں نے تمہارے لیے ایک چیک کاٹ رکھا تھا۔ اپنی دین۔ بھگتیا ریم“

غالب ہے۔“

وہ جھوٹے جھوٹے قدم اٹھاتی اس کے سامنے آکھڑی ہوئی۔ غصہ ڈی ہوا چل رہی تھی اور سردی بڑھ گئی تھی۔ وہ کچھ کہنے لگا مگر وہ پلٹا یہ کامان اٹھانے آ رہا تھا۔

”تمہاری دین بڑ کافی مشہور ہوئی ہے۔“ وہ آگے بڑھا اور اس کے بیگز ہاری ہاری اٹھا کے دے پلے کو بیٹھ لگا۔

”ہوئی ہی تھی۔ البتہ نیلوفر نے فی الحال چپ سا دل ہے۔ وہ شاک میں ہے۔ اس کے کینیڈا اور میرے کے ایل چیلنجے تک ہم دونوں کے اعتراف بڑ کی ہیرا حقن شروع ہونے والی ہے۔ ہم ازان!“

”اگر وہ تمہیں کتاب چوری کے لئے sue کرے تو؟“

”مگر میں نے کیا کیا ہے؟“ اس نے مصومیت سے پچکیں بچکا کیں۔ ”میں تو سوشل ایکٹوریٹ ہوں۔ سوس کا نام غلطی رکھ کے کچھ بھی خطر عام پہ لا سکتی ہوں۔ جیسے سارے پورٹرز کرے ہیں۔“

”اور اگر اس نے تم پہ الزام لگایا کہ تم نے اسے ریپ بن کے جو کر دیا ہے تو؟“

”تو اسے لوگوں کے سامنے یہ اعتراف کرنا پڑے گا کہ اس نے صرف اسی سبیل پہ نہ صرف کسی کو پورا مسودہ دے دیا بلکہ ثادی کا جوڑا ایک میں لئے ترکی بھی پہنچ گئی۔ مجھے فراق ثابت کرنے کے لیے اسے خود کو بوقوف ثابت کرنا پڑے گا۔“

”میرا خیال ہے کہ وہ کہے گی۔۔۔ تم نے مسودہ چیک کر دیا ہے۔“

”اور سیک وہ ثابت نہیں کر سکتی۔ مجھے sue کرنے کے لئے اس کے پاس پیسے نہیں ہیں۔ نیلوفر کی سب سے بڑی طاقت وہ کتاب تھی اور وہ میں اس سے لے چکی ہوں۔“

”ویسے تم نے اسے ترکی کیوں بھیجا؟ تم اس کے مصر میں ہوتے ہوئے بھی یہ دین بچا پ لوڑ کر سکتی تھیں۔“ وہ جیسے یہ سوال کب سے پوچھنا چاہتا تھا۔



”فاتح کے لیے۔ اس نے فاتح کو ان کے بچوں کے سامنے بے عزت کرنے کے لیے بہت جگہ آمیز الفاظ کتاب میں لکھے تھے۔ ایک دوسرے ملک کے انبر پورے پانی پانی کے ساتھ خوف اور بے بسی کا مزہ اسے بھی چکھا تھا۔ انتقام دینے بھی جتنا ٹھنڈا ہوا تھا اچھا ہوتا ہے۔ تمہیں لگا میں نے اس کے ساتھ کچھ زیادہ کر دیا؟“

”اوہ مجھے کوئی پراہم نہیں ہے۔ دوسروں کی عزت کو اپنے ہاتھ میں کھنے والوں کے ساتھ فعل شوڈاؤن کرنا مجھے دپسے ہی بہت پسند ہے۔“ وہ کھلے دل سے مسکرایا تھا۔ پھر جیسے کچھ یاد آیا۔

”تم نے مجھے تین ابراہام والے بیروں کا قصہ نہیں سنایا۔“

تالیہ کی مسکراہٹ گہری ہوئی۔

”تم جانا چاہتے تھے تاکہ میں نے وہ کیسے چمائے تھے۔“

ڈرا تو قف سے بولی۔ ”مگر میں نے وہ چمائے ہی نہیں تھے۔ مجھے یہ بھی نہیں معلوم کہ دادریات کس نے کی تھی۔“

اس کی مسکراہٹ غائب ہوئی۔ ابرو استعجاب میں اٹھیں۔ ”مگر تم نے کہا تھا۔۔۔“

”میں نے کہا تھا کہ اس بارے میں آخر میں بتاؤں گی۔ یہ نہیں کہا تھا کہ وہ میرا کام تھا۔ سوری۔“ مسکراہٹ دہا کے کندھے پر پھر سے اچکائی۔

وہ چند لمبے ماتھے پر تل ڈالے اسے دیکھتا رہا پھر انیسوس سے گہری سانس لی۔ ”No Offence لیکن تم واقعی اتنی بڑی دادریات کر بھی نہیں سکتی تھیں۔“

”کیوں نا میں تمہیں ایک اور کہانی سناؤں؟“ چلیں بھپکا کے مصمصیت سے کہا۔ ”تمہاری کنزروی میں نے ڈسویٹر لی ہے۔“

”اچھا؟“ وہ ڈسٹر سے مسکرایا اور دونوں ابرو اٹھائے۔

”میں جان گئی ہوں کہ تم اپنی فیملی کا ذکر کیوں نہیں کرتے۔ کیونکہ تم مجھ پہ یا اپنے کسی درک پائٹز پہ بھی بھی بھروسہ نہیں کر سکتے۔ کب کون بک جائے کسی کو نہیں معلوم۔ مگر میں نے سوچا کہ تم اپنی بیوی یا ماں باپ، بہن بھائی، ان سب کو اٹھا لیتی کیوں رکھتے ہو؟ اور تب مجھے خیال آیا کہ تمہاری فیملی میں صرف یہی لوگ نہیں ہوں گے۔۔۔ بلکہ۔۔۔۔۔“ وہ اس کے چہرے کو غور سے پڑھتے ہوئے کہہ رہی تھی۔

”بلکہ کوئی ایسا بھی ہے جس کے لئے تم خوفزدہ رہتے ہو۔ اس طرف کے کاموں میں تمہیں سب سے زیادہ خطرہ صرف ایک وجود کے لئے رہتا ہے۔۔۔۔۔“ نیم اندر چہرہ درختوں میں اس کی آواز سرکشگی میں بدل گئی تھی۔

”You have a child!“ وہ اس کے چہرے سے نظریں ہٹائے بغیر کہہ رہی تھی۔

”جینا..... یا شاید بیٹی.... جو بہت مصوم اور کم عمر ہے.... اور اس کے لئے تم ڈرتے ہو۔ اسی لئے میں چاہوں گی تو تمہاری فیملی کا پتہ نہیں لگا سکتی۔ ہے نا؟“

وہ بے تاثر چہرے سے اسے دیکھ رہا تھا۔ اس کی بات ختم ہوئی تو تالیہ نے دیکھا اس نے دانت سے ٹھپلا ب کاٹا تھا۔ جب وہ بولا تو لہجہ سرد تھا۔

”تم فی الحال تم ان ٹیکس کی فکر کرو تالیہ۔۔۔ جو کوئی تمہارے نام سے بھیجتا ہے۔ تمہارے خلاف کوئی سازش کر رہا ہے اور ایسی سازشوں پہ ملک کے وزیراعظم بھی بچانے نہیں آیا کرتے۔“ اس کے سر داور د کے اعزاز پہ وہ مسکرا کے کہہ رہے تھے جھکتی۔  
بیک لے آگے بڑھی اور جاتے جاتے فخر دا بھلا۔

”تمہیں کیسے پتہ ان سازشوں کے بارے میں؟“

وہ چند قدم آگے بڑھ گئی تھی جب اس نے اندر چور درختوں کے جھنڈ سے اس کی آواز سنی۔

”کیوں؟ ہے تالیہ؟ تم کتابیں نہیں پڑھیں کیا؟“

ان الفاظ پہ وہ فخر کا بیت بن گئی۔

قدم، جس شہت ہو گئے اور چند لمحے کے لئے دل دھڑکنا بھول گیا۔ ہار و تیزی سے گھومی۔

”تمہیں کیسے پتہ یہ فقرہ جو.....“

الفاظ لیوں پہ ٹوٹ گئے۔

درختوں کا جھنڈ ویران تھا۔

وہاں کوئی نہ تھا۔ سایہ تک نہیں۔

کسی خیال کے تحت اس نے اپنے ہینڈ بیک کے کھلے، ہانے میں ہاتھ ڈالا۔ پہلے خانے میں رکھا چیک بھی غائب تھا۔ وہ اپنی قمیص اپنے مل رہے سے لے چکا تھا۔ اس نے کہا تھا کہ اسے پیسے نہیں چاہیے ہیں۔ مگر اس نے یہ بھی کہا تھا کہ

”I lie for a living!“

وہ پول کے کنارے جبا کھڑی تھی۔

جہاں سکندر جاغلی اندر چورے میں غائب ہو چکا تھا۔

ایسے پیسے، وہ کبھی اس کی کہانی میں آیا ہی نہ ہو۔

تالیہ نے ایک جھکی ہوئی گہری سانس اندر کھینچی اور آگے بڑھ گئی۔ اس کو انہر پورٹ پہنچنا تھا۔

☆☆=====☆☆

پروحاتانہ جرنل ایٹیاؤ کے دارالحکومت چترالہا کی ایک سبز گنبد والی پر شکوہ سی قدرت ہے جس کے الحمد وزیر اعظم کا آفس موجود ہے۔ آفس میں جموری گھڑی کا کام نمایاں نظر آتا ہے۔

وہاں ایک بڑی ٹھیل کے پیچھے صوفیہ ٹمپس ٹیک لگائے بر اعجاز تھی اور اس کی پشت پر دیوار گیرک شیاٹ بنے تھے جو گہری جموری گھڑی کے تھے۔ اتنے کھلے کھلے آفس کو گہرے رنگوں نے تنگ سا بھار کھا تھا۔

دیوار پر نصب ٹی وی روشن تھا اور ٹیک لگائے کے جیلی صوفیہ جھیل پہ جھیل بدل رہی تھی۔

ایک جھیل پہ تالیہ مراد اسٹوڈیو میں جینی نظر آتی تھی۔ ٹیک پہ ٹیک جھائے وہ مصنوعی غصے سے کہہ رہی تھی۔ ”ٹھیک ہے میں صوفیہ ٹمپس کی مخالف ہوں مگر فوٹ ہو جانے والوں کا احترام انسانیت کے ذمے میں آتا ہے۔ صوفیہ نمبر 312 پہ نیلو فر داتو سری کے بارے میں لکھتی ہیں کہ وہ نفسیاتی مریض بھی تھے۔ اور یہ وہ انہیں استعمال کرتے تھے۔ مجھے بتائیں ایک آدمی نفسیاتی مریض ہونے کے ساتھ دو دفعہ ملک کا وزیر اعظم کیسے رہ سکتا ہے؟“ وہ قہقہے سے کہہ رہی تھی۔

”احتمال ان الزامات۔ انتہائی احتمال۔“ لہنگر اسوس سے سر جھٹک رہا تھا۔

صوفیہ نے جھٹکل بدلا۔ نیلو فر ایک دوسرے شو میں بھیجی تھی۔ کرسی پہ آگے ہو کے دونوں ہاتھ اٹھا اٹھا کے وہ کہہ رہی تھی۔

”دیکھیں۔ میری کتاب میں تبدیلیاں کی گئی ہیں۔ اس کو ٹیک کیا گیا ہے۔“

”آپ یہ کہہ رہی ہیں کہ یہ کتاب جھوٹ ہے جو تالیہ مراد نظر عام پہ لاتی ہیں؟“

”میں یہ کہہ رہی ہوں کہ۔۔۔“

”کہ داتو سری ڈرگ ایڈکٹ اور نفسیاتی مریض نہیں تھے؟“ لہنگر جرح کر رہا تھا۔

”نہیں۔ ہاں۔ وہ تھے۔ مگر میں نے ڈرگز کے نام یہ نہیں لکھے تھے۔ دیکھیں جب اصل کتاب آئے کی تو۔۔۔“

”اگر یہ سچ نہیں ہے تو آپ تالیہ مراد کو کھٹ لے جائیں یا اس کتاب کو مکمل طور پہ جھوٹا قرار دے دیں۔ آپ خود بھی کنفیوژڈ ہیں“ نیلو فر صاعب۔“

لہنگر اس کو برہمی سے ٹوک رہا تھا۔ ”آپ نے کتاب میں فی میل لہنگرز کے بارے میں انتہائی ہاربا الفاظ استعمال کیے ہیں۔ کیا آپ کے پاس اس سب کا ثبوت ہے؟“

اور نیلو فر کو کچھ نہیں آ رہا تھا کہ وہ کیا کہے۔ کتاب میں خواتین لہنگرز کے نام تالیہ نے بدل دیے تھے۔ اس سب کو ایسے نہیں

ہونا تھا جیسے ہو رہا تھا۔

صوفیہ نے سرخ رخن دیکھا تو قی دی اسکرین بھونکی۔ دو سو چھی نظروں سے دیوار کو دیکھنے لگی۔

تجسسی سامنے بیٹھا دولت تکھنکار۔ اس کی ٹاک پابھی تک ہینڈ بیج لگا تھا۔

”یا جنگ دی برحمت۔ تالیہ نے ذیل پوری نہیں کی۔ اس نے کتاب دو کٹے کے بجائے شائع کر دی ہے۔“

”ہوں۔“

”اس لیے ہمیں ذیل پوری کرنے کی ضرورت نہیں ہے۔ ہم اس کی سابقہ چوریوں کی بنیاد پر اس کو گرفتار کر سکتے ہیں۔“ وہ

آگے کو ہوا کہہ رہا تھا۔

صوفیہ نے مسکرا لگی آنکھوں کا رخ اس کی طرف موڑا۔ سفید اسکارف کے بالے میں اس کا چہرہ صوفیہ نظر آتا تھا۔

”یعنی ہم اس کو عوام کے سامنے چور ثابت کریں۔ تاکہ نیلو فرکا کوئی بیج ہو جائے کتاب۔“ اس نے اس کی کتاب چرائی ہے۔“

”مگر۔۔۔۔۔“

”اور اسے فراڈ ثابت کریں تاکہ وہ میرے باپ کے حق میں جو باتیں کہہ رہی ہے وہ مستتر نہ ہیں۔“

”لیکن وہ انسانی حساس باتوں کو بڑھا چڑھا کے بیان کر رہی ہے۔“

”مگر کیا لوگ ان چمکا دلائل پر یقین کر رہے ہیں؟ دولت؟“ صوفیہ نے ابرو اٹھائی۔

”نہیں“ ہم۔ ”دولت کی آواز بجلی ہوئی۔ ”لوگ نیلو فرکا مذاقی اڑا رہے ہیں اور یقین نہیں کر رہے۔ وہ رسوا ہو کے رہ گئی ہے“

مگر تالیہ اس سب سے فائدہ اٹھا رہی ہے۔ وہ اعزازیوں سے پیسے کما رہی ہے۔ وہ۔۔۔۔۔ وہ مارے میڈیا پر چھائی ہوئی ہے۔ وہ

ایک اسکمر ہے ہم۔ ہم اس کو یوں آواز نہیں چھوڑ سکتے۔ ہم قیادار منٹ کے لیے کیا مثال پیش کر رہے ہیں؟“

”جسٹیس یاد ہے مجھے سب سے زیادہ ڈر کس بات کا تھا؟ دولت؟“ کرہی کی پشت سے ٹپک لگائے صوفیہ نے لمبے بھر کو

آگاہیں بند کیں۔ ”کہ وہ عورت۔۔۔۔۔ میرے باپ پہ کچھ اچھا لے گی اور مجھے اس کو جواب دینا پڑے گا۔ میں نے آج تک

پبلک میں اس کو جواب نہیں دیا۔ مجھے اپنے مقام سے اتر کے اس کی باتوں کو grace کتنا پڑے گا۔ صوفیہ

versus نیلو فر۔ یہ میرے لئے بھیا ایک خواب تھا۔“ اس نے آنکھیں کھولیں اور طمانیت سے مسکرائی۔

”مگر مجھے ایک خط نہیں کہنا پڑ رہا۔ میری پارٹی کو سوائے اسوس کے اعتبار کے زبان نہیں بولانی پڑی۔ ہمیں تو پتہ ہی نہیں

ہے کہ کیا ہو رہا ہے۔ پچھلے چار دن سے میڈیا پر صرف تالیہ versus نیلو فر چل رہا ہے۔ اسے چھٹے دو دولت۔ یہ میرے حق

میں جارہا ہے۔“

بھروسہ سیدھی ہوئی اور قلم نکال کے ایک کانڈ پہ دھنچکے۔ پھر وہ کانڈ دولت کی طرف بڑھایا۔

”یہ تالیہ مراوا کا کانڈ پھنسل سرکاری pardon ہے۔ دوا اپنے تمام جرائم سے آزاد ہے۔ قہار اٹلی چارٹمنٹ اس کے خلاف تمام چارجز ڈراپ کر کے اس کو فل امیونی دینے کا پابند ہے۔“

”جو آپ کا حکم ہو میم۔“ دولت نے ناخوشی سے کہتے معافی، مہم اٹھایا۔ اس کے پاس اب اس کو سرکاری دستاویز میں بدلنے کے سوا کوئی چارہ نہ تھا۔

☆☆=====☆☆

حالم کا بھگہ بہت عرصے بعد آزاد آیا دوا لگتا تھا۔ لاؤنج کے پردے بنے تھے اور سرمایہ کی دھوپ پوری آزادی سے اندر آ رہی تھی۔ بڑے صوفے پہ کسی شہزادی کی حکمت سے گھری ماگن بنی تھی۔ ٹائیک پہ ٹائیک بنائے گھرے نیلے اور ہنزدنگ کے باجو رنگ پہ لمبوس ڈھ مسکرا کے سامنے بیٹھے دولت کو دیکھ رہی تھی۔ دولت چند کانڈ اس کی میز پہ رکھ رہا تھا اور تالیہ نے اس امر کو یقینی بنایا تھا کہ وہ اس کی انگلی کی سرخ یا قوت والی انگلی اور کانوں میں پینے بہرے ہار ہار رکھے۔

”تواب میں آزاد ہوں؟“ انگلی کان کے؟ پس پہ پھرتے ہوئے شہزادی نے ٹیکس بھپکا کے پوچھا۔ سامنے بیٹھے دولت نے سنجیدگی سے اسے دیکھا۔ وہ بھورے سوٹ میں لمبوس تھا اور آگے کوہو کے بیٹھا تھا۔ چہرے کے تاثرات میں ضبط کا عنصر نمایاں تھا۔

”جی ہاں تالیہ۔ آپ آزاد ہیں۔ گو کہ آپ کا طریقہ کافی نڈھ تھا مگر پرومان منتری نے آپ پر رحم کھاتے ہوئے اپنا دندہ پورا کیا ہے۔“

”ایک بات پوچھوں؟“ معصومیت سے استفسار کیا۔

”جی۔“

”آپ کی ٹاک کیسی ہے؟“ ہکا سا مسکرائی۔

”آپ کی مالی حالت کی طرح بزدن کے ساتھ بہتر ہو رہی ہے۔“ اس نے اطراف پہ نظر بٹکا ڈالا۔

”آپ میری مثال کی کمائی سے رشتہ محسوس کر رہے ہیں دولت صاحب؟“ اسی سادگی سے ٹیکس بھپکا نہیں۔

”میری پچھلی حس کہتی ہے کہ یہ سب عارضی ہے۔“ تالیہ۔ ”وہ جیٹلی دندہ مسکرایا تھا۔ اس کی ترمیم لگا جس تالیہ کے اندر تک جھانک رہی تھیں۔

”ایک بات یاد رکھیے گا۔ آپ کا معافی، مہم آج کی تاریخ سے پہلے تک کے تمام جرائم کو کور کرتا ہے۔ آج کے بعد آپ کے

بر محل پر صبری نظر ہوگی۔ آپ ذرا سا پھسلنا بھی غور نہیں کر سکتیں۔“

”آپ کو کیوں لگتا ہے کہ میں پھسلوں گی؟“ وہ کمزری سے آتی منبری روشنی کے ہالے میں بیٹھی تھی۔ دھوپ اتنی تیز تھی کہ اس کی آنکھیں چند سیانچند سیانچ رہی تھیں اور اسے دولت کو دیکھنے کے لئے ماتھے پہ ہاتھ کا پمچاٹنا پڑ رہا تھا۔

وہ سایے میں نظر آ رہا تھا۔ تیز روشنی اس کی پشت پہ تھی۔ اس لئے وہ کھڑا ہوا تو اس کے چہرے کے تاثرات دھندلانے لگے۔

”کیونکہ میں ایک بات جانتا ہوں۔ پرانی عادتیں نئے افرادوں سے پختہ ہوتی ہیں۔ آپ کو سیدھے دروازوں کی عادت نہیں ہے۔ آپ کے قدم خود بخود چور راستوں کی طرف اٹھتے ہیں۔ آپ جتنی کوشش کر لیں۔۔۔ اپنے اصل سے واپس نہیں چھڑا سکتیں۔ آپ کی زبان جھوٹ کی عادی ہے۔ آپ کے ہاتھ قلب لگانے میں ماہر ہو چکے ہیں۔ جلد یا بدیر آپ کے سامنے دوبارہ سے وہی ترغیبات آئیں گی۔ خواہش کے ہاتھوں یا خوف سے مجبور ہو کے آپ کے قدم آپ کو ایک دفعہ پھر اسی راستے پہ لے جائیں گے۔ آپ کی انگلیاں منوہ تالوں کی طرف بڑھیں گی اور آپ سوچے سمجھے بغیر ان کو کھولنا چاہیں گی۔ میں اس وقت کا انتظار کروں گا۔“

وہ تنہیہ کے انداز میں کہتا پلٹا تھا۔

”آپ کیوں چاہتے ہیں کہ میں ایمانداری سے اپنی نئی زندگی نہ شروع کروں؟ آپ مجھے ٹھنکے ہوئے کیوں دیکھنا چاہتے ہیں؟“

تالیہ کی مسکراہٹ غائب ہو چکی تھی۔ وہ جھپٹی آنکھوں سے اسے جاتے دیکھ رہی تھی۔ دروازے کی طرف بڑھتے بڑھتے وہ رکاوٹوں کے اسے دیکھا۔

اب وہ روشنی اور اندھیرے کے کھیل سے دور تھا اس لئے اس کا چہرہ چھاؤں میں تھا اور حرکت تاثرات واضح تھے۔

”میں نے ساری زندگی پہلے پولیس اور پھر انٹیلی جنس سروس میں ایمانداری سے اپنے ملک کی خدمت کی ہے۔ میں نے آپ سے بڑے بڑے کرائمز کو جنرل میں ڈالا ہے۔ میں کبھی بھی کرائمز کے ساتھ ڈیلز کرنے اور ان کو immunity دینے کے حق میں نہیں ہوں۔ اوپر سے آئے احکام کے باعث میں مجبور تھا۔ مگر ایسی ویلز لاواں فور سمٹ کو ہمیشہ ناخوش رکھتی ہیں۔ میں ناخوش ہوں۔ میرا اپنا منٹ ناخوش ہے اور ہم سب آپ سے دوبارہ کسی دوسرے حال میں ملنے کے منتظر رہیں گے۔“

تالیہ۔ ”سرمکونیشن دے کر سلام کیا اور باہر نکل گیا۔

تالیہ نے گہری سانس خارج کی۔

وہ کبھی دوبارہ اس آدمی کو نہیں دیکھنا چاہتی تھی اور وہ سمجھتا تھا اس کی کوئی وجہ بھی نہیں بنے گی۔ وہ لفظ کہہ رہا تھا۔ تالیہ کبھی دوبارہ کوئی جرم نہیں کرے گی۔ اس نے اپنا عزم خود سے دہرایا تھا۔

☆☆=====☆☆

کے ایل کے اس متوسط طبقے کے علاقے میں بنیاد رکھ کر اور اس کا باغیچہ سرما کی دھوپ سے خوب روشن نظر آرہا تھا۔ گھاس پہ کرسی ڈالے بیٹھا ایٹھ سو روپے کی جانب کمر کیے ہوئے تھا۔ وہ گھنٹوں پہ چرل جمائے "قلم سے اس پہ کچھ لکھتا۔ پھر کاغذ اس کے بال ماتھے پہ کھمرے تھے اور شیوہ رام بڑھی ہوئی تھی۔ یوں لگتا تھا وہ شدید مضطرب اور ادا اس ہے۔

"تمہارے چورے کہاں گئے؟"

آواز عقب سے آئی تھی۔ ایٹھ کا قلم تھا ہاتھ بندھ ہو گیا۔

اس آواز نے سرما کی دھوپ کو ایک دم مزید سنہرا کر دیا تھا۔

وہ بے چینی سے اٹھا اور پلٹا۔

گھاس پہ وہ اس کے سامنے کھڑی تھی۔ اسکرٹ پہ سفید منی کوٹ پہنے سفید بیٹ سر پہ ترہما جمائے وہ مسکرا رہی تھی۔

ایک دم سارے کے ایل کو اس کی رعمانی واپس مل گئی تھی۔ تالیہ واپس آگئی تھی۔

وہ چند لمبے دم سادھے کٹڑا سے دیکھے گیا۔ کسی کو ایک دم یوں دیکھ لینے سے دل اس طرح بھی سنبھل جاتا ہے اسے پہلی دفعہ معلوم ہوا تھا۔

"آپ... کب آئیں؟ مجھے آہٹ تک سنائی نہیں دی۔"

تالیہ ہنسنے لگی۔ "بھابھاپ کے چلنا بھی ایک آرٹ ہے۔ میں سمجھ رہی ہوں۔"

پھر خاموش ہوئی۔ دونوں چند لمبے چپ سے کھڑے رہے۔

"کیا ہم دوبارہ سے دوست بننا چاہتے ہیں؟" اس نے امید اور خوف کے ملے جلے تاثرات سے پوچھا۔ "ہم نے آپ

کے لئے وہ نہیں کیا جو کرنا چاہیے تھا یا جو آپ کر سکتے تھے۔ مگر ہم واقعی یہ کچھ تھے کہ۔"

"دوست جسم کی باتوں کی طرح نہیں ہوتے کہ ان کے درمیان فریچر لگے تو ان کو زبردستی جوڑ کے ہاتھ کے دکھا جائے

تو وہ تندرست ہو جائیں گے۔ دوستوں کے فریچر مختلف ہوتے ہیں۔ جب دراز پن سے قوت دونوں کا لگ ہو جانا چاہیے اور ایک

دوسرے کا پیس دینی چاہیے تاکہ جب وہ دوبارہ ملیں تو ان کی ہڈیاں مختلف ہو۔ دو ایک دوسرے سے پہلے داسے پوچھتے ہیں

جس میں ہلکا پے تعلق کو اس دفعہ نے پوچھتے ہیں۔"

”کیونکہ ایک دوسرے کی غیر موجودگی میں ہمیں احساس ہوتا ہے کہ ہم ایک دوسرے کے لیے کتنے اہم تھے اور کتنے غمناک تھے۔“

”میرا سوال اب بھی وہی ہے۔ تمہارے چہرے کہاں گئے؟“ بیٹ دانی لڑکی کی مسکراہٹ سا دھنسی۔ وہ پرانی باتوں کو دہرائے نہیں چاہتی تھی۔ ایڈم نے گہری سانس لی۔

”ابن کو ایک ظالم ٹی نے مار ڈالا۔“

”اوہ۔ آئی ایم سوری۔“ اس کی مسکراہٹ غائب ہوئی۔ ”تم تو بہت دیکھی ہوئے ہو گے۔“

”مجھ سے زیادہ ماں دیکھی ہے۔ میرے غم دوسری طرح کے ہیں۔“

پھر اسے خیال آیا تو جلدی سے جڑل میز پر دکھلا دوسری کرسی اٹھا کے سامنے بچھائی۔

”آپ دانتن سے ملیں؟“

”نہیں۔ گھر لوں گی۔“ وہ دونوں اب دھوپ میں آنے سے سامنے بیٹھے تھے۔

”آپ کی نیلوفر کے خلاف ہم دلچسپ تھی۔“ وہ پہلی بار مسکرایا۔ ”اس نے desperate ہو کے امیروں پر آج کتاب شائع کر دی ہے مگر لوگ اس کا پک سے اتنے زور ہو چکے ہیں کہ اس کی کتاب کی ایک بیڈ لائن بھی نہیں بنی۔“

”یہ میری آزادی کی قیمت تھی ایڈم۔“

”اب وہ آپ کو نہیں پکارتے تھے؟“ وہ امید سے پوچھ رہا تھا۔ تالیہ نے مسکرا کر سر ہلایا۔ دھوپ کے باعث اس نے بیٹ مزید ترچھا کر لیا تھا اور اس کی آنکھیں سنہری لگ رہی تھیں۔

”تم بتاؤ۔ ان کیلکس کی تحقیق کی تم نے؟ میں تو آج نیلوفر کی کتاب سے فارغ ہوئی ہوں۔“

”جی۔ میں جتنی تحقیق کر سکتا تھا کر چکا ہوں۔ آپ کے نام پر پینٹل بینک میں ایک نیا اکاؤنٹ کھلا ہے اور اس کے جاری کردہ کریڈٹ کارڈ سے یہ ایک طریقے کے روز پیسے جاتے ہیں۔ آپ کے خیال میں یہ کون کر سکتا ہے؟“

”مصرعہ! تالیہ کو یقین تھا۔“ مجھے نہیں معلوم کیسے اور کیوں، مگر صرف وہی میری دشمن ہے۔“

”اب آپ کیا کریں گی؟“ وہ ٹھنک رہا تھا۔

”تالیہ کے پاس ہمیشہ پلان ہوتا ہے۔“ وہ مسکرا دی تو ایڈم نے گہری سانس لی اور سوبائل پر ایک فائل کھول کے اسکرین اس کے سامنے کی۔

”اس کے بارے میں آپ کی کیا رائے ہے؟“



”میں یہ فائل تمہاری ای میل میں دیکھ چکی ہوں ایڈم۔ تم نے اس آف شور کمپنی کے بارے میں فاتح سے دریافت کیا؟“

”جی اور وہ اس کے بارے میں کچھ نہیں جانتے۔“

”پھر وہ جاکہ کہہ رہے ہوں گے۔ لیکن تمہاری قسلی کے لئے میں ان سے غویات کروں گی۔“

”آپ کے پاس چارون چمپے تالیہ کیونکہ اس کے بعد میں اس فائل کو اپنی کتاب میں چھاپنے پر مجبور ہوں گا۔“

تالیہ کے امداد گھٹے ہوئے۔ ”تم کیسا اے چھاپ سکتے ہو جبکہ ان فاتح اس کمپنی سے انکاری ہیں؟“

”میں نے جن لوگوں کی آف شور کمپنیز پہلے مشکف کی تھیں ان سے ان کا اقرار یا انکار نہیں مانگا تھا۔ ان میں سے کوئی ایک بھی اشاعت کے بعد تردید کے لئے نہیں آیا۔ اگر وہ ان فاتح کے پاس کوئی ثبوت ہے اور وہ اشاعت کے بعد لے آئیں تو میں اگلے ایڈیشن سے ان کا نام خارج کروں گا۔“

”وہ تمہیں کدے لے جائیں گے ایڈم۔“

”میری فائل ثبوتوں کے ساتھ ہے۔ ان کے پاس جو ثبوت کورٹ کے لئے ہے وہ مجھے ابھی دکھا دیں۔“ وہ فیصلہ کر چکا تھا۔ اسے انصاف کرنا تھا۔ سب دولت چھپانے والوں کے ساتھ ایک ہی برتاؤ کرتا تھا۔

”میں ان سے بات کروں گی۔“ وہ اٹھ کھڑی ہوئی تو وہ بھی بے اختیار ساتھ ہی اٹھا۔ ایک دم سے دھوپ میں اداسیاں گھل گئی تھیں۔

”لیکن تم میری آخری بات سے بغیر ان کا نام کتاب میں نہیں ڈالو گے۔ ٹھیک؟“

وہ اب بھی اسی کا دفاع کر رہی تھی۔ ساری بارائیاں انہیں ایک طرف ذہاب بھی اپنے لیڈر کو تحفظ دے رہی تھی۔ ایڈم اداسی سے مسکرایا۔

”اگر آپ اس فائل کو جعلی ثابت کر دیں تو میں بہت خوشی سے اسے اپنے مسودے سے خارج کروں گا۔ آپ کے پاس چارون ہیں۔“

تالیہ نے پرس اٹھاتے ہوئے ایک آزر و نظر اس کے جرجل پہ ڈالی۔

یاس کتاب کا مسودہ تھا جو ان فاتح کا سیاسی کیریئر وائڈار کر سکتی تھی۔

ایک دفعہ پھر ان تینوں کی ذمہ گمیاں ایک کتاب سے متاثر ہونے لگی تھیں۔

☆☆=====☆☆

وان فاتح کی رہائش گاہ پر سہ پہر اتار رہی تھی جب تالیہ نے اپنی کار باہر کھڑی کی۔ سیٹ اتار کے فرنٹ سیٹ پر دکھا ہال

پونی میں جکڑے اور کوٹ کی ٹکٹیں درست کرتی جا رہی تھی۔

اس نے گھنٹہ پہلے وائس ایپ پہ فلاح کو پیغام بھیجا تھا۔ ”میں آپ سے ملنا چاہتی ہوں۔ ابھی۔ اسی وقت۔“

ایک ماں ساتھ کو فوراً اس کے لئے وقت نکال لے گا۔ وہ جو اس کے پیچھے اس کے گھر آتا تھا۔ جو اس کے لئے خود نکلتا تھا۔ جو اس سے ای میلز میں پوچھتا تھا کہ وہ کب آئے گی تو اس کے لئے وقت ضرور نکالے گا۔

اس کا جواب دو منٹ کے اندر موصول ہوا تھا۔

”میں گھر پہ ہوں۔ ابھی آ جاؤ۔“

اس کے دل کی حالت تب سے عجیب سی تھی۔ وہ گیت تک پہنچ گئی تھی مگر عجیب پہچان میں جھٹکتی۔

کیا پہلے کہنا تھا؟ کل؟ کلکو؟ رکھائی کا اٹکھار؟ اور کیا نہیں کہنا تھا؟ کیا وہ بنگار لایا ملا پکا ذکر کرے گا؟ کیا اس کو کچھ یاد آیا ہوگا؟ وہ اسنے دن بعد اس سے ملنے جا رہی تھی اول عجیب سا ہور ہا تھا۔

بگار ڈالنے سے دیکھتے ہی دردازہ کھول دیا۔ بنگار سے خوش آمدید کہتا سید صاحب لے آیا۔

”فلاح صاحب نے مجھے بلایا تھا۔“ اس نے خرافتوں اور وضاحت دی۔ بنگار سڑا کے اسے بیڑیوں کی طرف لے آیا۔

”آپ لو پر اسٹڈی میں نہیں۔ میں ان کو بھیجتا ہوں۔“

وہ ریلنگ پہ ہاتھ رکھنے بیٹھنے لگی۔

ان بیڑیوں ان دیواروں کے درمیان وہ کتنی دفعہ آئی تھی۔ عصرہ کی دوست سے لے کر فلاح کی چیف آف اسٹاف تک کا سفر اس نے کیسے طے کیا تھا یوں لگتا تھا زمانے بیت گئے ہوں۔

اسٹڈی سرور تھی حالانکہ موسم میں ٹھنڈا تھی ہی تھی۔ دو چپ چاپ کرسی پہ جا بیٹھی اور مقابل رکھی خالی بھوری سیٹ کو دیکھتے ہوئے جھلے تر تھپ دینے لگی۔ وہ وہاں کیوں آئی تھی؟ وہ خود بھی فیصلہ نہیں کر پا رہی تھی۔

دردازہ کھلا اور بند ہوا۔ وہ نہیں چلتی۔ پھر اس نے ٹکسیوں سے نوار کو میز کے ایک طرف سے گزار کے اپنے سامنے آتے دیکھا تو وہ چونک کے اٹھی۔

”عصرہ!“ تعجب سے ابرو اٹھائے۔ عصرہ محمود اپنی ازلی مسکراہٹ سجائے اس کرسی پہ براہمان ہو چکی تھی۔ ہالوں کا جوڑا بنائے گردن میں موٹی پینے ٹوہاب کرسی سے ٹیک لگائے سامنے کھڑی تالیہ کو دیکھ رہی تھی۔

”کھڑی کیوں ہو؟ بیٹھو۔“ آخر تم مجھ سے ملنے آئی ہو۔“

”میں۔۔۔“ توہر کی۔“ فلاح صاحب نے مجھے بلایا تھا۔“

”نہیں۔ تم نے مجھے ایکسٹ کر کے ملاقات کا وقت مانگا تھا۔“ مصرعہ نے جتا کے کہتے ہوئے موداگل دکھایا جس پہ تالیہ کی چٹ کھائی تھی۔

”نیر پھیلے ایک ہفتے سے میں استعمال کرتی ہوں۔ فاتح نے نمبر بدل لیا ہے۔ تمہیں نہیں معلوم؟“  
تالیہ نے ضبط سے گہری سانس لی۔ فاتح برود مابعد نمبر ضرور بدلتا تھا۔ مگر یہ کیسی دفعہ اس کا پرانا نمبر مصرعہ استعمال کر رہی تھی۔  
”بیوقوف! درنہ مجھے لگے گا کہ مجھے فاتح کی جگہ دیکھ کے تم پریشان ہو گئی ہو تالیہ۔“

”اچھو لی مجھے آپ سے بھی بات کرنی تھی۔“ وہ گردن سیدھی رکھ کر اپنی کرسی پہ بیٹھی۔ ”اچھا ہوا موقع مل گیا۔“  
”وہ تمہارے لیکس کا شکر یہ جو تم برود بھیجتی ہو۔“ مصرعہ کو جیسے یاد آیا۔ تالیہ کے ابرو ناگواری سے ہنسنے۔  
”میں آپ کو کوئی ایک نہیں بھیجتی مسز مصرعہ۔ مجھے معلوم ہے میرے نام پہ ایک کون بھیج رہا ہے اور میں ضرور پولیس میں شکایت درج کرنے جاؤں گی۔“

”اچھا۔ تم نہیں سمجھتی؟ نام تو تمہاری ہوتا ہے ان پہ۔“ مصرعہ پہ کوئی اثر نہ ہوا۔ وہ جیسے مطمئن تھی۔ اس کا رویہ تالیہ کو ابھرا رہا تھا۔

”میں ان لیکس کی تحقیق اور پولیس رپورٹ تو کروا دوں گی۔ کیوں نا ابھی ہم آریانا کے ہارے میں بات کر لیں۔“  
مصرعہ کے مطمئن تاثرات برقرار رہے مگر تالیہ نے دیکھا وہ میز پر کھائے ہاتھ کے باخن سے کھڑی کمرچنے لگی تھی۔  
”آریانا کا کیا؟“

”مسز مصرعہ۔۔ آپ نے آریانا کا قتل کیا تھا۔ ہم دونوں جانتے ہیں۔“  
”کتنا برا الزام لگاری جو تم مجھ پہ؟“ وہ انوس سے بولی۔  
”آریانا کا خون آپ کے ہاتھ پہ ہے۔ خود پہ رحم کھائیں اور وہ ان فاتح کو اپنے منہ سے بتا دیں۔ شاید وہ آپ کو معاف کر دیں۔ نہیں تو میں ان کو تباہوں کی شہادت کے ساتھ۔“

وہ غصہ سے انداز میں بولی۔ نظریں مصرعہ کی آنکھوں پہ جمی تھیں۔  
”تالیہ تمہیں لگتا ہے تم یہ کر کے مجھ سے کچھ چین لوگی؟ تم غلط ہو۔ تم پہلے ہی مجھ سے سب کچھ چین چکی ہو۔ اب میرے پاس کھونے کو کچھ نہیں بچا۔“

پھر مصرعہ اٹھی اور میز کے چیمبے سے نکل کے دروازے تک آئی۔ دروازہ پورا کھول دیا۔ پھر اسی المینا سے دیوار میں نصب شیٹ تک آئی۔ ایک کرختل کا ڈیکوریشن میں اٹھایا اور چلتی۔

”تم میرے شوہر کو مجھ سے چھیننا چاہتی ہو۔“ وہ ایک دم غرائی تھی۔ اس کی آواز اتنی بلند تھی کہ تالیہ بے اختیار کھڑی ہو گئی۔  
 ”میں چاہتی ہوں آپ اپنے شوہر کو جیتا دیں۔“

عصرہ نے ہاتھ میں پکڑا اٹھیں زور سے چونکت پڑے مارل وہ باہر بیڑھیوں کے پاس فرش سے ٹکرایا اور پکنا چور ہو گیا۔  
 ”تم میرے شوہر کو مجھ سے چھیننا چاہتی ہو؟“ اس نے دوسرا اٹھیں اٹھایا اور اس طرف پھینکا۔ وہ تالیہ کی طرف چیزیں تھیں  
 پھینک رہی تھی۔ وہ ایک ایک کر کے کرشنل کے جیس دودارے کے باہر پھینک رہی تھی۔

تالیہ نے قہقہے سے اس کے انداز کو دیکھا۔ ”میں قہقہے سے بات کر رہی ہوں اور آپ۔۔۔۔۔“  
 ”نکل جاؤ تم یہاں سے اور میری زندگی سے۔ گیت لاسٹ تالیہ۔“ وہ اوٹھی آواز میں چلا رہی تھی۔ ساتھ ہی چیزیں زور  
 دار آواز کے ساتھ فرش پہ پھینک رہی تھی۔ البتہ یہ سب کرتے ہوئے اس کا چہرہ ہالنگل پالٹ تھا۔

تالیہ نے تیزی سے پرس اٹھایا۔ ”آپ جو بھی ڈرامہ کر رہی ہیں آپ اس میں کامیاب نہیں ہوں گی۔“ اور دودارے کی  
 طرف بڑھی۔ عصرہ نے ہاتھ فضا میں روک لیا۔ جب وہ باہر نکل گئی اور بیڑھیوں نے لگی قہقہے عصرہ نے آخری جیس دودار پہ  
 دے مارل۔

تالیہ گلابی چہرے کے ساتھ ذہن اتر رہی تھی۔ ملازم لاؤنج میں اکٹھے ہوئے گردن اٹھائے سرائیکی کے عالم میں اسے  
 دیکھ رہے تھے۔ وہ کسی کو بھی دیکھے بنا زبانی بھلا گئی دودارے کی طرف بڑھ گئی۔ اسے یہاں آنا ہی نہیں چاہیے تھا۔  
 اوپر موجود عصرہ موہاگل ہاتھ میں لئے بیڑھیوں کے دہانے پہ آ کر کی اور نمبر ملا کے فون کان سے لگایا۔ ملازم ابھی تک جیس  
 کھڑے تھے۔ مگر اسے آنا دیکھ کے گڑبڑا کے متحیر ہونے لگے۔ البتہ انہوں نے جاتے وقت اپنی لاکھن کی بھنگی آواز ضرور سنی  
 تھی۔

”ہیلو۔۔۔۔۔ دولت بھائی۔ کیا آپ ابھی میرے پاس آ سکتے ہیں؟ جی میں گھر پہ ہوں۔ دھرم نہیں ہے۔ مجھے۔۔۔ مجھے لگتا ہے کہ  
 تالیہ۔۔۔۔۔ فاتح کی انکس چیف آف اشاف۔ تالیہ مرا۔۔۔ مجھے لگتا ہے۔۔۔ وہ فاتح کی جان لینا چاہتی ہے۔“

جیز سانسوں کے درمیان وہ بے ربط انداز میں کہہ رہی تھی۔

اس کی آواز نے فضا میں عجیب سا خوف بکھیر دیا تھا۔

☆☆=====☆☆

وہ گھرائی تو دل کی عجیب حالت ہو رہی تھی۔ فاتح کا نیا نمبر اس کے پاس نہ تھا۔ البتہ ای میل ایڈریس موجود تھا۔ کیا وہ اسے  
 ای میل کر دے؟ مگر پہلا سے سب سے ضروری کام کرنا تھا۔

وہ پولیس اسٹیشن گئی اور ان ٹیکس کے خلاف درپردہ لکھوا کے آئی۔ بینک کا ناظم قسم ہو چکا تھا اس لئے اس نے بینک جا کے درخواست دینا کل پہ موخر کیا اور گھر آگئی۔ پھر سارے دروازے کھڑکیاں بند کر لیں اور کچن ٹیبل پہ اندھیرے میں موم جلی جالا کے بیٹھ گئی۔

اب ہر طرف تاریکی تھی اور درمیان میں موم جلی کا شعلہ چمک رہا تھا۔ وہ اس شعلے کو دیکھ کے سوچنے لگی۔

جیسے اسے مراد لہجہ نے سوچنا سکھایا تھا۔ سارے خیالات کو ذہن سے جھٹک کے صرف اس شعلے پہ لگا دیں مرکز کرتا اور ایک معاملے کو ہر زاویے سے دیکھنا۔

عصرہ کو وہ ڈرامہ کر کے کیا ملے گا؟

اگر وہ ٹیکس عصرہ ہی فاتح کو بھیج رہی تھی تو تالیہ کا نام لگانے کی کیا ضرورت تھی؟

بہترین چیز کیا ہو سکتی تھی؟

شاید ٹیکس زبریلے تھے؟

وہ ہنسی۔

آف کورس۔ ٹیکس زبریلے تھے۔ سلو پوائزن۔ اگر وہ ان فاتح مر جائے تو پارٹی کا صدر کون بنے گا؟ وہی جو اب صدر ہے۔ یعنی عصرہ محمود۔

اگر وہ ان فاتح مر جائے تو اگلے وزیراعظم کون بنے گا؟

بی این کے شہید میڈر کی بیوہ جو کہ پارٹی صدر ہوگی۔

وہ ان فاتح کی موت کے باعث ہمدردی کا دھڑلے لے گی۔ وہ بھاری اکثریت سے کامیاب ہو کے پرحسان منتری بنے گی اور کوئی اس پہ شک نہیں کرے گا کیونکہ کیکے تو تالیہ مرانے ہیچے تھے۔

اس نے ماتھے کو چھوا۔

تالیہ تیل ہائے گی۔ فاتح قبر میں۔ اور عصرہ وزیراعظم کی کرسی پہ براہمان ہوگی۔ پلان واضح تھا۔

اس نے پھونک مار کے موم جلی بجھائی اور اٹھ کے پردے کھول دیے۔ اندھیر لائی میں باہر چلے اسٹریٹ پاٹر کی مدد سے روشنی اندر آنے لگی۔ اب وہ کیا کرے

پہلے اس نے فون لگاوا اور فاتح کو ہی میل بھیجی۔

”وہ ٹیکس میں نے نہیں بھیجے۔ ان کو مت کہائیں۔ میں آپ سے مل کے وضاحت کروں گی مگر پلیز فونٹ ایمن دیں۔ وہ

زبر پیلے ہیں۔“

سادے ٹھکڑے دور ہو گئے تھے۔ بلکہ بھول گئے تھے۔ اس کی پریشانی برقرار تے لمبے بڑھتی جا رہی تھی۔ ایک گھنٹہ گزر گیا اور ای میل کا جواب نہیں آیا۔

اسے کچھ کرنا تھا۔ وہ صبح تک کا انتظار نہیں کر سکتی تھی۔

چاہے مراد کا انتظار کرنا نہیں آتا تھا۔ اسے صبر کے پیمان کو ابھی ٹیل کرنا تھا۔ وقت نہیں تھا۔ سادے تکمیل وقت کے ہی تھے۔

وہ اپنے کمرے میں آئی اور الماری کھولی۔ سامنے اس کا چپ سوٹ بٹگ پر بٹگ تھا۔ اس نے وہ سوٹ نونچ کا اتارا۔ (میں ایک بات جانتا ہوں۔ پرانی عادتیں نئے ارادوں سے پختہ ہوتی ہیں۔)

سیا و چپ سوٹ کے اوپر اس نے سیا ہینڈ بگنی اور ٹوپی سر پہ ڈال دی۔ اب اس کا چہرہ اندھیرے میں آ گیا تھا۔ (آپ کو سیدھے دروازوں کی عادت نہیں ہے۔ آپ کے قدم ٹوٹو ٹوٹو چور راستوں کی طرف اٹھتے ہیں۔)

ایک دروازے اس نے چمک دار پھل والی خبر نکالا اور جھک کے اسے پنڈلی سے ہاتھ دھا۔ پینٹس نیچے برادری کی اور ہڈی سر پہ گرائے وہ دبا ہرنگی۔

(آپ جتنی کوشش کر لیں، آپ بچے اصل سے چھپا نہیں جھڑا سکتیں۔)

باہر ہلکی ہلکی بارش شروع ہو چکی تھی۔ سرما کی بارش کے ایل کی شہنشاہ میں اضافہ کر رہی تھی۔

اس نے ٹیکسی دان فاتح کی اسٹریٹ سے دو گلیاں چھوڑ کے روک دی تھی۔ وہ باہر نکلی تو یوں دہانہ دی تیز ہو چکی تھی۔

(آپ کی زبان جھوٹ کی عادی ہے۔۔۔)

تیز قدموں سے پہنچی وہ دان فاتح کی اسٹریٹ کے دوہانے پہ آئی تو وہاں دن میں روشنی کا سماں تھا۔ ٹالیہ کا دل دھک سے دھک گیا۔ باہر پولیس کی گاڑیاں اور ایمبولینس کھڑی تھی۔

(آپ کے ہاتھ قلب لگانے میں ماہر ہو چکے ہیں۔۔۔)

وہ تیزی سے واپس بھاگی۔ اس کا رخ کچھلی گلی کی طرف تھا۔ دان فاتح کے گھر سے عین کچھلے گھر کی دیوار تک وہ آرکی۔ یہ گھر خاسوٹی میں ڈوبے تھے۔ وہ جانتی تھی کہا سے کیا کرنا ہے۔

(جلد یاد دہرا آپ کے سامنے وہاں سے وہی ترغیبات آئیں گی۔)

اس نے کچھلے گھر کی دیوار بھٹائی اور روٹی زینے پہ کسی ٹکی کی طرح چڑھتی گئی۔ گھر کی چھت پہ پہنچی کے وہ بھاگتی ہوئی اس

کو نے تک آئی جو قاتل کے گھر سے ملتا تھا۔ صرف ایک کوٹا۔۔۔ اور درمیان میں دو فٹ کا فاصلہ۔

(خوابش کے ہاتھوں یا خوف سے مجبور ہو کے آپ کے قدم آپ کو ایک دھڑکھڑاسی راستے پہ لے جائیں گے۔)

اندھیرے میں کسی بیوے کی طرح سیاہیلی دوسری چھت پہ کود گئی۔ پھر دھیرے دھیرے قدم اٹھاتی وہ قاتل کے لان کے تین اوپر چھت پہ آرہی۔

(آپ کی انگلیاں منورہ خانوں کی طرف بلا میں کی اور آپ سوچے سمجھے بغیر ان کو کھولنا چاہیں گی۔ میں اس وقت کا انتظار کروں گا۔)

لان میں پڑ لیس کے سپاہی کھڑے تھے۔ چند ملازم بھی افسوس اور شاک سے منہ پہ ہاتھ رکھے کھڑے تھے۔ کسی نے کسی کو کچھ بتایا تو اس نے سر ہلاتے ہوئے اناٹھ دیا۔

”سوت کی وجہ کیا ہے؟“

”سوت؟ مجھے تو یہ قتل لگتا ہے۔ قتل۔“

نوٹی پھوٹی سرگوشیاں کانوں میں چڑیں۔ اس کا دل جیسے اوپر اٹھنے میں آنے لگا۔ وہ چھت سے نیچے کھنڈے والے دروازے کی طرف دوڑی۔

دروازہ بند تھا مگر وہ جانتی تھی کہ لاک کس ذمیت کا ہے۔ اس نے کھپکھپاتے ہاتھوں سے پن اندر ڈالی اور کھولنے لگی۔ ہارٹ مسلسل تیز ہو رہی تھی۔ پانی کے باعث اس کے ہاتھوں سے پن ہار بار پھسل رہی تھی۔ آنکھوں سے آنسو بھی بہنے لگے تھے۔ کیا اسے دیر ہو گئی تھی۔ کیا مسرہ اپنا کام کر چکی تھی؟

دروازہ کھلا تو وہ بتا آہٹ کے اندر داخل ہوئی۔ یہ کارڈ درویر ان اور خاموش چڑھتا۔ جی البتہ روشن تھا۔ اس نے ایک جی بند کی (لوہر باقی بجلی رہنے دیں تاکہ نیچے کسی کو علم بھی نہ ہو اور وہ اندھیرے میں رہے)۔ کارڈ در کے دہانے پہ میٹر حیاں تھیں۔ وہ چھت کے دروازے کے ساتھ دیوار سے لگی زینٹک کی طرف بڑھنے لگی۔

جہاں سے زینٹک شروع ہوتی تھی وہاں تالیہ رکی۔ اور صرف اس کا سا جھکا یا۔

نیچے لائیج میں مجمع لگا تھا۔ دائرے کی صورت چند افراد وہاں کھڑے تھے۔ تالیہ نے بے چینی سے ایک ایک کا چہرہ دیکھا۔

ایک دولت تھا۔ اس کے ساتھ موجود افراد کو وہ نہیں پہچانتی تھی۔ وہ ایک اسٹریچر کے گرد کھڑے تھے۔ اسٹریچر پہ رکھی باڑی پہ سفید کپڑا ڈالا تھا۔ تالیہ نے لبوں پہ خنکی سے ہاتھ جمالیا۔ اس کا دل بری طرح دھڑک رہا تھا۔

”یہ سب کیسے ہوا؟“ اسے اشعر کی آواز سنائی دی۔ گردن مزید جھکا کی تو وہ اس سر جھکائے کھڑا ہکا بکا سا اشعر دکھائی دیا۔ دولت نے سر جھکائے ہاڈی کے چرے سے کپڑا سر کاٹا۔

”زہر دینے کا کیس لگتا ہے۔“ دولت نے اپنے سامنے کسی کو مخاطب کیا۔ تالیہ مخاطب کا چہرہ نہیں دیکھ سکتی تھی اس لئے مزید گم سر کی اور تب اسے وہ نظر آیا۔

وان فاتح..... جو دولت کے سامنے کھڑا تھا۔ اس کا چہرہ کسی جھکے ہارے انسان کی طرح زرد و پڑا تھا اور وہ جیسے بہت بہت سے دن ہاں کھڑا تھا۔

”زہر؟“ فاتح نے صغریٰ بچنے ضبط سے دہرایا۔ اسی اثنا میں دولت نے نقش کے چرے سے کپڑا الٹ دیا۔

”ان کے چرے سے یہی لگتا ہے کہ سز مصرہ کو کسی نے زہر دے کر مارا ہے۔“

تالیہ کالوں پہ جھاپتا رہے یقینی سے مجھے جاگرا۔ وہ بالکل من رو گئی تھی۔

نیا ہٹ مائل سفید چہرے اور بند آنکھوں والی مصرہ کی نقش اسٹرپچر پہ بے سدھ پڑی تھی۔

”کا کا کے ساتھ کون کر سکتا ہے یہ؟“ اشعر کا سر دو دنوں باتوں میں گرا تھا۔

”ایک ہی نام ذہن میں آتا ہے۔“ دولت نے حتمی لہجے میں کہا تھا۔ ”ملازم کا کہنا ہے کہ سز مصرہ نے صبح ایک چاکلیٹ کیک کھا یا تھا۔ کیا آپ کو معلوم ہے وہ کس نے بھیجا تھا؟“

اشعر نے چونک کے سر اٹھایا ”کیک؟ تو شاید تالیہ بھیجتی تھی۔“

”بالکل۔ اور سز مصرہ کو شک تھا کہ وہ ان فاتح کو مارنا چاہتی ہے۔ مگر وہ غلط تھیں۔ تالیہ کا پلان وہ نہیں تھا جو میں سمجھا تھا۔“

وہ غلط تھی۔

مصرہ کا پلان وہ نہیں تھا جو وہ سمجھتی تھی۔

”میرا خیال ہے کیک زہر پلے تھے۔“ دولت انکشاف کر رہا تھا۔

(وہ غلط تھا۔ کیک زہر پلے نہیں تھے۔ زہر ٹیکس کے اندر نہیں تھا۔)

”مگر وہ کیک تو میں نے بھی کھائے تھے۔ مجھے تو کچھ نہیں ہوا۔“ فاتح کی درشت آواز سنائی دی تھی۔

”ہمیں آپ کے بھی چیک اپ کروانے پڑیں گے۔ ہو سکتا ہے آپ کو ابھی تک زہر نے اس طرح سے متاثر نہ کیا ہو مگر

مجھے یقین ہے کہ وہ آپ کے خون سے بھی ضرور ملے گا۔“



ہاں۔۔۔ ذہر اس کے خون سے بھی ملے گا مگر بہت تھوڑا۔۔۔ کیونکہ عصرہ کو دان قاتح کی جان نہیں لیتی تھی۔  
اس ایک لمبے میں تالیہ مراد کو پلان سمجھ میں آ گیا تھا۔

ایک ذہر بے نہیں تھے۔ وہ ذہر دہرہ مرہ کی چیزوں میں ہکا ساقا قاتح کو اور ذہر زیادہ سا خود کو دے رہی تھی۔ صرف آخری ایک شہر ذہر پڑا تھا جو وہ قاتح کے گھر آنے سے پہلے کما بچی تھی۔ اس کے بچوں نے کبھی ایک نہیں چکھے تھے اس لیے ان کے خون سے ذہر نہیں ملے گا۔ وہ اپنے بچوں کو ایک نہیں جھکنے دیتی تھی۔ اس لیے نہیں کہ نکاس میں ذہر تھا۔ وہ ذہر ملی چیزوں سامنے کبھی نہیں رکھے گی۔ بلکہ اس لیے کہ جب بچوں کے خون سے آریٹک کے اثرات نہ ملیں تو اس کی وجہ سب کو بھی لگے کہ بچوں نے ایک نہیں کما ئے تھے۔

عصرہ محمود کو وہ جان لینا تھی جو اس کو سب سے زیادہ محبوب تھی۔  
عصرہ محمود کی اپنی جان۔

دولت اب سچاٹ بلند آواز میں کہہ رہا تھا۔ ”سز عصرہ نے آخری گفتگو میں تالیہ مراد پہ شک کا اظہار کیا تھا۔ ان کا یہ بیان قانون ثابت کے طور پر استعمال کیا جائے گا۔ میں تالیہ مراد کے آریٹ و وارنٹ نکلوا رہا ہوں مگر مجھے امید ہے کہ وہ ہمیں اپنے گھر نہیں ملے گی۔ آج سے وہ ایک fugitive ہے۔“

وہ اپنی ٹیم کو ہدایت دے رہا تھا اور وہ سن قی اوپر کھڑی تھی۔  
اور تنجی قاتح کی نظر اوپر اٹھی۔ وہ اس کا کمر تھا۔ کسی کی موجودگی کا احساس اسے سب سے پہلے ہوا تھا۔ اس نے گردن ہلائے بغیر اوپر دیکھا جہاں وہ کسی سایے کی طرح کھڑی تھی۔  
ایک لمبے کوان دونوں نے ایک دوسرے کو دیکھا۔

تالیہ نے بے یقینی سے نفی میں سر ہلایا۔ وہ اپنی بے گناہی کی گواہی اور کس طرح دے؟  
اور قاتح۔۔۔ اس نے ایک نظر قاتح کو دیکھتے دولت کو دیکھا اور دوسری اوپر تالیہ پھاڑی۔ پھر آنکھوں سے ایک تھنی سا اشارہ کیا۔

جیسے کہہ رہا ہو۔ ”بھاگ جاؤ تالیہ۔ بھاگ جاؤ۔“  
اس کے قدم پیچھے کواٹھے لگے۔

لباس سے ہارن کے قطرے فرش پر گرے۔

کیلے سیاہ ربڑ کے جوتوں سے پچیس پچیس کی آواز آنے لگی۔

جالیہ نے گردن جھکا کے اپنے جوتوں کو دیکھا۔ ٹخنے پہ لگے کمان صورت زخم پہ کھر ٹہر بن چکا تھا۔

بچیں بچیں کی آواز پہ چونک کے دولت نے سراٹھایا اور اوپر دیکھا۔

”لوہر کون ہے؟“ ایک ساتھ سب کی گردنیں اوٹھتی ہوئیں۔

وہ کوہا اب خالی تھا۔ وہاں کوئی نہ تھا۔

”دولت... مجھے عصرہ سے ہونے والی آخری گفتگو کے بارے میں بتاؤ۔“ وان فاتح نے اسے تلخی سے مخاطب کیا تو دولت کا

دھیان اوپر سے ہٹا۔ وہ اب فاتح کو دیکھتے ہوئے سردا قصہ دہرانے لگا تھا۔

”دوپہر میں مجھے عصرہ کی کال آئی تھی۔ انہوں نے مجھے بلایا تھا۔ اور جب میں آیا تو۔“

باہر اندھیرا رات میں سیاہی کسی چملاوے کی طرح ایک چھت سے دوسری چھت بھڑا گمک دری تھی۔

اس کے آگے صرف در کی تھی اور نیچے گہری کھائی۔

☆☆=====☆☆

(باقی آئینہ و باوا انشا اللہ)

حالم بہت جلد کتابی شکل میں دستیاب ہوگا۔ رائٹر اور پبلشر کی مشترکہ خواہش ہے عالم کی تمام  
اقساط انٹرنیٹ سے بنادی جائیں گی۔ کتاب گھرے عالم کی یہ آخری قسط پیش کی جا رہی ہے۔